ڈنگو



قرۃ العین حیدر

امۃ الرحمان
9 فروری
۸۴ء

ڈنگو

اقبال خالد

قرۃ العین حیدر کی دیگر کتب

۱۔ آگ کا دریا
۲۔ کارِ جہاں دراز ہے
۳۔ سیتا ہرن
۴۔ جہانِ دیگر
۵۔ فصلِ گل آئی یا اجل آئی
۶۔ پت جھڑ کی آواز
۷۔ جگنوؤں کی دنیا
۸۔ جہاں پھول کھلتے ہیں
۹۔ گلگشت
۱۰۔ کوہ دماوند
۱۱۔ ماں کی کھیتی
۱۲۔ آدمی کا مقدر
۱۳۔ تلاش
۱۴۔ آلیس کے گیت

ڈنگو

آر فریرمین

ترجمہ

قرۃ العین حیدر

مکتبہ اردو ادب
بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ ، لاہور

ناشر ———— سرفراز احمد
مطبع ———— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت ———— ۳/۵۰ روپے

۱

مچھلی پکڑنے کی پتلی مگر مضبوط ڈور درخت کی اس موٹی جڑ کے پاس جو لہروں کے ساتھ ساتھ ہلکورے کھا رہی تھی پانی میں جا گری۔

ایک لڑکی مچھلی کے شکار میں مصروف تھی۔

وہ چٹان کے اوپر چپ چاپ بیٹھی تھی اور دریا کا شور اس کے اوپر سے گزرتا جا رہا تھا۔ روشنی میں چمکتے پانی کو دیکھتے دیکھتے جب اس کی آنکھیں تھک گئیں تو اس نے بے خیالی سے نیچے نظر ڈالی پھر دور جنگلوں سے ڈھکے پہاڑوں کو دیکھا جو دریا پر جھکے کھڑے تھے۔

ہوا صاف ستھری اور روشن تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے گھرا ہوا آسمان ایک ایسی گھاٹی کی مانند دکھائی دے رہا تھا جس کو ڈوبتے سورج کی نرم کرنوں نے منور کر رکھا ہو۔

لیکن لڑکی کی نظریں اس آسمان کے بجائے جسے وہ اپنے بچپن سے ایک

ہی حالت میں دیکھتی چلی آئی تھی مسلسل بہتے رہنے والے دریا کے پانی پر جمی تھیں۔ اس کی حیرت بھری نگاہ موجوں کا پیچھا کر رہی تھی اور وہ اُن اَن جانے اور انوکھے دیسوں کے بارے میں سوچنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں سے یہ دریا نکلا تھا اور جن کی طرف بہتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ لڑکی کا دل چاہتا تھا کہ ان نئے نئے ملکوں کی سیر کرے جس میں آسٹریلیا کے جنگلی کتے ڈنگو جیسی مخلوق بستی تھی۔ وہ ہوائی جہاز کی پائیلٹ اور ساتھ ہی ایک مغنیہ بھی بننا چاہتی تھی!

لڑکی نے پہلے دھیرے دھیرے پھر اونچی آواز میں گانا شروع کر دیا۔

مگر اس کی سُریلی آواز سننے والا وہاں بھلا کون تھا! وہ تو بالکل اکیلی بیٹھی تھی۔ اس کے گانے سے چونک کر ایک دریائی چوہا جو درخت کی جڑ کے نزدیک چھپا ہوا تھا چھپاک سے ندی میں کودا اور ایک سبز سرکنڈا اپنے بل کی سمت گھسیٹتا ہوا دریائی گھاس کے ایک جھنڈ کی طرف تیرنے لگا۔ سرکنڈا بہت لمبا تھا اور چوہا اسے گھنے دریائی پودوں میں سے گھسیٹ کر لے جانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

لڑکی نے بیچارے چوہے پر ترس بھری نظر ڈالی اور گانا بند کر دیا۔ اٹھ کر اس نے مچھلی کی ڈور گھسیٹی۔ چوہا گھبرا کر دریائی گھاس کے اندر گھسنے کی کوشش میں لگا رہا۔ ایک کالی بُند کی دار ٹراؤٹ مچھلی ندی کے نکھرے دھارے کے اوپر اچھلی اور پھر گہرے پانی میں چلی گئی۔

لڑکی نے آہستہ آہستہ ڈوبتے سورج کو دیکھا جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے صنوبروں کو چھو رہا تھا۔ گو کافی دیر ہو چکی تھی لیکن لڑکی کو کوئی خاص جلدی نہیں تھی۔ کاہلی کے ساتھ چٹان پر سے اتر کر وہ پگڈنڈی پر سہج سہج چلنے لگی۔ پہاڑ کی نرم ڈھلوان

پر آکر اونچے درختوں کا جنگل اس سے ملنے کے لئے آگے بڑھا۔ بے خوفی کے ساتھ وہ جنگل میں داخل ہوگئی۔

ندی کی پتھریلی تہہ پر تیزی کے ساتھ بہتے ہوئے پانی کی گنگناہٹ ڈوبتی گئی اور لڑکی کو وقت کے صدیوں تک پھیلے سناٹے نے نگل لیا۔

لیکن ایک پائنیر بگل کی آواز سے یہ سناٹا اچانک ٹوٹ گیا۔ جنگل کے اس کھلے حصے پر جہاں فر کے پرانے درخت خاموش کھڑے تھے، بگل نے لڑکی کو اپنی رفتار تیز کرنے کے لئے خبردار کیا

لیکن لڑکی نے رفتار تیز نہیں کی۔ وہ چکّر کاٹ کر اس دلدل کے کنارے پہنچی جس میں زرد رنگ کے پھول کھلے تھے۔ پھر اس نے پھولوں کے چند پودے جڑوں سمیت احتیاط سے اکھیڑ لیے۔

وہ جھولی بھر پھول جمع کر چکی تھی کہ اس کے پیچھے قدموں کی نرم چاپ سنائی دی اور کسی نے زور سے پکارا۔

"تانیا!!"

اس نے پلٹ کر دیکھا کہ فلکا چیونٹیوں کے ایک اونچے سے دمکوڑے کے پاس کھڑا اسے بلا رہا تھا۔ ایک دوستانہ مسکراہٹ نے لڑکی کا چہرہ روشن کر دیا وہ لڑکے کی طرف چلنے لگی۔

فلکا کے نزدیک ایک درخت کے کٹے ہوئے تنے پر ایک برتن میں بیر بھرے رکھے تھے۔ فلکا فولاد کے ایک پتلے شکاری چاقو سے برچ کی ایک تازہ ڈالی چھیلنے میں مشغول تھا۔

"بگل کی آواز نہیں سنی؟ واپس لوٹنے کی بالکل جلدی نہیں ہے تم کو؟"

"آج ملاقاتیوں کے آنے کا دن ہے۔ لیکن میری اماں تو نہیں آسکتیں وہ اسپتال میں کام کررہی ہیں۔ اس لئے کیمپ میں میرا کوئی بھی منتظر نہ ہوگا۔" لڑکی نے جواب دیا پھر مسکراتے ہوئے کہا" تم کو بھی تو کوئی جلدی نہیں معلوم ہوتی!"

"آج ملاقاتیوں کے آنے کا دن ہے۔" اس نے نقل اتاری" چراگاہوں سے ابّا مجھ سے ملنے آئے تھے اور میں نے سوچا کہ اس پہاڑی پر فر کا جو جھرمٹ ہے وہاں تک ان کو پہنچا آؤں۔"

فلکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ابا تو اب ہمارے کیمپ کے قریب ہی دریا کے کنارے رات گزارنے والے ہیں۔ پہلے میں بڑی چٹانوں کے پیچھے جاکر نہایا پھر تمھیں ڈھونڈنے لگا۔ تمھارے گانے کی آواز سنی تو ادھر چلا آیا"۔

لڑکی ہنس پڑی۔ فلکا کا سانولا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"تم کو فرصت ہے تو چلو تھوڑا یہاں اور ٹہل لیں۔ تمھارے لئے ایک تحفہ ہے میرے پاس۔ چیونٹوں کا رس!"

"اے ہے۔ ایک اور تحفہ؟ صبح مجھے تمھاری کچی مچھلی بھی ملی تھی۔"

"مچھلی اور چیونٹوں کا رس دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لو — یہ رہا —" اور فلکا نے اپنی چھڑی چیونٹوں کے بل میں ٹھونس دی

تھوڑی دیر تک دونوں بل پر جھکے ہوئے منتظر کھڑے رہے یہاں تک کہ برچ کی چکنی چھڑی چیونٹوں سے سیاہ ہوگئی۔ پھر چھڑی کو تنے پر آہستہ سے ٹکرا کر فلکا نے سارے چیونٹے جھٹک دیئے اور ان میں سے نکلے ہوئے تیزابی پانی کے قطرے چھڑی

کی چکنی سطح پر چمکنے لگے۔

"بے حد مزیدار" تانیا نے قطرے اپنی زبان پرے کر کہا۔ "چیونٹوں کا رس ہمیشہ سے میرا من بھاتا کھاجا ہے۔"

وہ پگڈنڈی پر چلنے لگی۔ فلکا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ تانیا اس لئے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ جنگل کا سناٹا خاموشی چاہتا تھا، اور فلکا اس لئے کہ چیونٹوں کے رس کے علاوہ کوئی اور بات اس کے ذہن میں نہیں آرہی تھی اور بھی چیونٹوں کے رس کا کوئی کہاں تک ذکر کرے۔

چپ چاپ وہ دونوں پہاڑ کی ڈھلوان پر اتر آئے۔ دریا پر جھکی چٹان کے قریب انھیں اپنا کیمپ دکھائی دے گیا۔ بڑے بڑے خیموں کی قطار میں خوب شور مچ رہا تھا، بچوں کی گونجتی ہوئی آوازیں، تانیا کو جو کیمپ سے بہت اونچائی پر بھوری چٹانوں کے سناٹے میں گھری کھڑی تھی، کسی دور کے جنگل کی سرسراہٹ جیسی معلوم ہوئیں۔

"حاضری کے لئے قطار لگ رہی ہوگی۔ فلکا تم کو مجھ سے پہلے واپس پہنچ جانا چاہیئے۔ ہم لوگ اکثر اکٹھے ہی کیمپ لوٹتے ہیں۔ سب لوگ کہیں ہم پر ہنسنا نہ شروع کر دیں۔"

فلکا یہ سن کر بہت بے چین ہوا "تانیا کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی"۔ اس نے تلخی سے سوچا، اور اوپر جھکی ایک جھاڑی کو پکڑ کر چٹان پر بہت نیچے بل کھاتی پگڈنڈی پر اس طرح کود گیا کہ تانیا نے ڈر کے مارے اپنا سانس روک لیا لیکن وہ پنجوں کے بل زمین پر آرہا اور تانیا نے بھی چٹانوں کے درمیان اُگے ہوئے صنوبر کے ٹیڑھے میڑھے درختوں میں سے گزرنے والے دوسرے راستے پر سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا۔

یہ راستہ اسے ایک سڑک پر لے آیا جو سنگریزوں سے چمکتی ہوئی، جنگل سے اس

طرح باہر نکلتی تھی گویا دریا بہہ رہا ہو۔ مسافروں سے کھچا کھچ بھری ایک لمبی بس پانی کے تیز دھارے کی طرح گرجتی تانیا کی طرف جھپٹی۔ بچوں کے والدین شہر وا پس جا رہے تھے۔

تانیا نے نظر اٹھائے بغیر بس کو نزدیک سے گزر جانے دیا۔ اس کا اپنا کنبہ تو اس میں تھا نہیں۔ سڑک پار کر کے گڑھوں اور ٹیلوں پر سے آسانی سے کودتی پھلانگتی وہ کیمپ کی طرف دوڑی۔

بچوں نے شور مچا کر اس کا سواگت کیا۔ اور کیمپ کے جھنڈے نے پھڑپھڑا کر اسے گویا سلامی دی۔ وہ قطار میں جا شامل ہوئی۔ پھول زمین پر رکھ دیئے اور پانیئر لیڈر کوسٹیا کی نظروں نے اسے گویا آگاہ کیا۔

"تانیا سبانییو یا حاضری کے وقت دیر مت کیا کرو" پھر بچوں کو مخاطب کر کے للکارا "ہوشیار — داہنے دیکھو — قطاریں سیدھی کرو۔"

تانیا نے اپنی کہنی ذرا سی ہلائی۔ دائیں اور بائیں اپنے دوست موجود ہیں کتنی اچھی بات ہے۔ دونوں ہی طرف اپنے دوست ہیں۔ کیسا اچھا لگتا ہے۔

دائیں جانب فلکا کھڑا تھا۔ نہانے کے بعد اس کا چہرہ بھیگے پتھر کی طرح چمک رہا تھا اور ٹائی بھی پانی سے نم تھی۔

"تم کیسے پانیئر ہو فلکا" کوسٹیا نے کہا "تیرنے جاتے ہو تو اپنی ٹائی کیوں بھگو لاتے ہو۔ ٹھہر جاؤ میں تمہارے والد سے تمہارے متعلق سنجیدگی سے گفتگو کروں گا۔"

"بیچارہ فلکا" تانیا نے سوچا۔ "آج صبح اٹھنے نہ جانے کس کا

منہ دیکھا ہوگا۔"

وہ اپنا سر اکڑائے ہوئے فلکا کی طرف موڑے رہی کیونکہ وہ حاضری کا قانون توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ علاوہ ازیں اس کے بائیں ہاتھ ایک گدبدی سی لڑکی زینیا کھڑی تھی جو اسے زیادہ پسند نہ تھی۔

گرمیوں کے کیمپ میں شرکت کرنے کا تانیا کا یہ پانچواں موقع تھا۔ اس بار پہلی مرتبہ اسے پچھلے برسوں جیسی خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ صبح منہ اندھیرے خیمہ میں جاگنا اسے ہمیشہ سے بے حد پسند تھا۔ اس وقت کانٹوں والی جھاڑیوں پر سے شبنم کی بوندیں ٹپک ٹپک کر زمین پر گرتی تھیں۔ جنگل میں بجتے بگل کی صدا سے بھی اسے محبت تھی۔ اور ڈرم کی ڈھمک اور چیونٹوں کے رس کا کھٹاپن اور الاؤ کے گرد گائے جانے والے گیت بھی اسے بہت بھلے لگتے تھے۔

پھر کیا ہوا کہ اب ان سب ہی چیزوں سے وہ اکتا سی گئی تھی؟ سمندر کی طرف جانے والے دریا نے تو اسے اداس نہیں کر دیا؟ تانیا دریا کو ایک مدھم سے قطرے کے احساس کے ساتھ دیکھتی تھی، اسے نہیں معلوم تھا کہ یکایک کہیں دور چلے جانے کے لئے اس کا جی کیوں بے تاب ہو رہا ہے۔ اور آسٹریلیا کا جنگلی کتا ڈنگو یک بیک اس کے لئے اتنا اہم کیوں ہو گیا؟ غالباً بات صرف اتنی تھی کہ وہ بڑی ہو رہی تھی۔

حاضری لگواتے وقت اور شام کو خیمے کی کینٹین میں کھانا کھاتے کھاتے وہ یہی سب سوچا کی۔ جب سب لوگ الاؤ کے گرد جمع ہوئے جسے اس نے تیار کیا تھا (کیونکہ کیمپ میں اس سے بہتر الاؤ تیار کرنے والا اور کوئی نہ تھا) تب جا کر اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا۔

برچ کے ایک پیڑ کو لیتے کے لئے جو طوفان میں اکھڑ جانے کے بعد پڑا زمین پر سوکھ رہا تھا، تانیا جنگل میں گئی اس پیڑ کو الاؤ کی لکڑیوں کے ڈھیر کے بیچ میں کھڑا کر کے آگ دکھائی۔ فلکا نے شعلوں کے گرد حفاظتی خندق کھودی اور شعلے پھیلنے کا انتظار کرتا رہا۔

برچ کا پیڑ نرم نرم جلتا رہا۔ اس میں چنگاریاں تک نہ اڑیں۔ شام کے اندھیرے نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دوسرے دستوں کے بچے بھی الاؤ سے لطف اندوز ہونے کے لئے آ گئے۔ پائنیر لیڈر کوسٹیا بھی آیا اور ڈاکٹر اور کیمپ سپرنٹنڈنٹ بھی آئے سب ہی نے الاؤ کی خوبصورتی کی بے حد تعریف کی اور بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ کھیلتے اور گاتے کیوں نہیں؟

اس کے بعد سب نے گانا شروع کر دیا ایک گیت کے بعد دوسرا گیت۔ پر تانیا گانے میں شامل نہیں ہوئی۔ پھیلی ہوئی آنکھوں سے وہ آگ کو دیکھا کی۔ دریا کی آگ بھی ساکت نہیں تھی بلکہ اوپر اور اوپر لپکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آگ اپنا مخصوص گیت بھی گا رہی تھی۔ اس گیت سے تانیا کے دل میں پھر ایک انجانے خطرے کا احساس پیدا ہوا۔

فلکا جو تانیا کو رنجیدہ نہ دیکھ سکتا تھا اس کا جی بہلانے کے لئے بیروں کا برتن آگ کے پاس لے آیا۔ سارے دوستوں میں بیر تقسیم کئے اور سب سے اچھے بیر تانیا کے لئے چن لئے۔ پکے پکے اور ٹھنڈے بیر تانیا مزہ لے لے کر بیر کھانے لگی اور اس کو خوش دیکھ کر فلکا اپنے ساتھیوں کو ریچھوں کی عادتوں کے متعلق بتانے لگا۔ وہ ایک شکاری کا لڑکا تھا اور ریچھوں کے بارے میں اس کی معلومات

اور سب ساتھیوں سے زیادہ تھیں۔
لیکن تانیا نے اس کی بات کاٹ دی۔
"میں اسی علاقے میں پیدا ہوئی اور ساری عمر یہیں رہی ہوں لیکن میری سمجھ میں یہ ابھی تک نہیں آتا کہ یہاں ہر شخص ریچھوں کا اتنا ذکر کیوں کرتا ہے۔"
"اس لئے کہ یہاں چاروں طرف شمال کا گھنا جنگل ہے اور اس جنگل میں ریچھ بھرے پڑے ہیں۔" موٹی لڑکی زینیا نے سمجھایا۔ زینیا خاصی ٹھس لڑکی تھی مگر ہر سوال کا جواب اس کے پاس ضرور موجود رہتا تھا۔
تانیا نے سوچتے ہوئے زینیا کو دیکھا اور پھر فلکا سے پوچھا کہ کیا وہ اسے آسٹریلیا کے جنگلی کُتے ڈنگو کے بارے میں بھی کچھ بتا سکتا ہے۔
لیکن فلکا جو اسکیموں کُتوں کے بارے میں تو سب کچھ بتا سکتا تھا ڈنگو کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ دوسرے بچوں کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔
"ڈنگو کے بارے میں کیوں پوچھتی ہو تانیا؟" زینیا نے دریافت کیا۔
تانیا نے صرف ایک آہ بھری کیونکہ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔
گویا اس کی ٹھنڈی سانس سے متاثر ہو کر برچ کا پیڑ جواب تک دھیرے دھیرے جگمگاتا ہوا جل رہا تھا اچانک کسی جاندار شے کی مانند کپکپایا، دھڑام سے گرا اور راکھ ہوگیا۔ رات کے اندھیرے نے بچوں کے آس پاس کے ماحول کو نگل سا لیا اور بچے جھنجھلا کر زور سے چلائے
اتنے میں پرچھائیوں میں سے ایک اجنبی آواز بلند ہوئی۔
"دوستو— چلاتے کیوں ہو؟" آواز نے ٹوٹی پھوٹی روسی میں سوال کیا۔ ایک

بڑے سے سانولے ہاتھ نے سوکھی جھاڑیوں کا ایک گٹھا فلکا کے سر کے اوپر سے اچھال کر بجھتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ یکایک لپکتے ہوئے شعلوں کی روشنی ایک بار پھر پھیل گئی۔ ایک مدھم گرج کے ساتھ ساتھ ان گنت چنگاریاں اوپر اٹھیں اور ستاروں کے جھرمٹوں کی مانند دیر تک ٹمٹماتی رہیں

بچے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور ایک ساتھ آگ کے قریب جا پہنچے۔ اجنبی چھوٹے قد کا آدمی تھا۔ اس نے اپنے گھٹنوں پر چمڑے کی پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ وہ ہرن کی چھال کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔

"یہ تو فلکا کے ابا ہیں — شکاری —" تانیا چلائی "میں ان کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ آج ہمارے کیمپ کے پاس ہی رات بسر کریں گے۔"

اجنبی سر ہلا کر مسکراتے ہوئے تانیا کی جانب بڑھا۔ وہ دوسرے بچوں کو دیکھ کر بھی مسکرایا۔ اس کے بڑے بڑے دانت جن کو اس کے پائپ کی تانبے کی نلکی نے گھس ڈالا تھا، چمک اٹھے۔ پائپ اس نے ایک ہاتھ میں مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ خاموشی کے ساتھ بار بار اس کی راکھ کرید کر وہ منہ سے دھواں اڑاتا۔ اس کے پائپ پینے کے پرامن، دھیمے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس آدمی کا ذہن ہر طرح کے برے خیالوں سے نا آشنا تھا۔ اور جب کوسٹیا نے قریب آ کر بچوں کو یاد دلایا کہ کیمپ کے گراؤنڈ پہ اجنبیوں کا آنا منع ہے تو وہ سب اجنبی کی طرفداری میں زور سے دہاڑے۔

"کوئی بات نہیں کوسٹیا۔ یہ صاحب فلکا کے والد ہیں۔ انھیں الاؤ کے پاس جانے دو۔ بڑے مزے کے آدمی ہیں۔"

"فلکا کے والد، پھر دوسری بات ہے۔ ہاں اب میں بھی سمجھ گیا۔ کامریڈ شکاری

میرا خود ہی ارادہ تھا کہ فلکا کے متعلق آپ سے بات کروں۔ یہ فلکا جو ہے نا۔ یہ مستقل کچی مچھلیاں کھاتا رہتا ہے اور دوسروں سے بھی اصرار کرتا ہے کہ وہ بھی کچی مچھلیاں کھائیں ــــ مثال کے طور پر تانیا سا یبیوا کو بھی کچی مچھلیاں کھلایا کرتا ہے۔ اور اپنی پانیر ٹائی پہنے پہنے یہ بڑی چٹانوں کے نیچے تیرتا پھرتا ہے حالانکہ اس کو اس بات کی سخت ممانعت کی جا چکی ہے۔" اتنا کہہ کر کوسٹیا گراؤنڈ پر چلتے دوسرے الاؤ کا معائنہ کرنے کے لئے چلتا بنا۔

شکاری کوسٹیا کی تقریر پوری طرح نہ سمجھ سکا مگر اس نے جاتے ہوئے کوسٹیا کو بڑی عزت کی نظروں سے دیکھ کر سر ہلایا۔

"فلکا۔ میں چراگاہوں میں رہتا ہوں۔ اور جنگلی جانوروں کا شکار کر کے پیسہ کماتا ہوں تاکہ تم شہر میں رہ کر اسکول جا سکو اور پیٹ بھر کھانا کھاؤ۔ تم دن بھر اتنی شرارتیں کرتے ہو کہ تمھارے سینیئر تمھاری شکایت کرتے ہیں۔ تمھارا کیا بنے گا بیٹے؟ اچھا یہ کمند لے کر جنگل میں جاؤ اور میرے رین ڈیر کو ساتھ لائے بغیر واپس نہ لوٹنا۔ وہ یہیں کہیں گھاس چر رہا ہوگا۔ میں تمھارے الاؤ کے پاس ہی آج کی رات گذاروں گا، اور اس نے بارہ سنگھے کی کھال سے بنا بے حد لمبا چابک آگے کر دیا۔

فلکا نے کھڑے ہو کر اس امید کے ساتھ اپنے دوستوں پر نظر ڈالی کہ شاید ان میں سے کوئی اس سزا کو بھگتنے میں اس کا ساتھ دے۔

تانیا کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے تانیا کو کچی مچھلیوں اور چیونٹوں کے رس سے نوازا تھا اور شاید وہ تانیا ہی کی خاطر بڑی چٹانوں کے نیچے تیرنے کے لئے گیا تھا۔

وہ پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئی "میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ فلکا۔ ہم دونوں رین ڈیر پکڑ کر یہاں لے آئیں گے۔"

چنانچہ وہ دونوں جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ جنگل نے خاموشی کے ساتھ ان کا سواگت کیا۔ صنوبروں کے الجھے ہوئے سائے کائی پر بکھرے ہوئے تھے اور جھاڑیوں پر لگے بیر ستاروں کی روشنی میں جھلملا رہے تھے۔ رین ڈیر فر کے درخت کے نیچے کھڑا شاخوں سے لٹکتی کائی کتر رہا تھا۔ وہ بے چارہ اس قدر سدھا ہوا رین ڈیر تھا کہ فلکا کو کمند استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ لگام پکڑ کر تانیا اسے اوس سے بھیگی گھاس پر سے ہنکاتی جنگل کے کنارے لے آئی اور فلکا اسے ساتھ لے کر الاؤ کی سمت روانہ ہوگیا۔

شکاری دونوں کو دیکھ کر ہنس پڑا اور بڑی نرمی کے ساتھ اس نے تانیا کو اپنا پائپ پیش کیا۔ بچوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔

"پائنیر تمباکو نہیں پیتے ابا!" فلکا نے سختی سے کہا۔

"ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔"

شکاری بہت حیران ہوا۔ کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کا بیٹا ایسی باتوں سے واقف ہے جن کو وہ خود بالکل نہیں جانتا، اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آخر وہ شہر کے اسکول میں پڑھ رہا تھا اور لال رنگ کی ٹائی باندھتا تھا!

اس نے تانیا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پھر پائپ کا کش لگایا اور رین ڈیر نے اپنا گرم گرم سانس تانیا کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے اپنے سینگ بڑی ملائمیت کے ساتھ

اس کے جسم سے رگڑے۔ تانیا خوش خوش گھاس پر بیٹھ گئی۔ سارے میدان میں مختلف الاؤ جل رہے تھے۔ بچے گا رہے تھے اور کیمپ کا ڈاکٹر ان کے درمیان ٹہلتے ہوئے اس بات کا اطمینان کرنے میں مصروف تھا کہ ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہے یا نہیں ؟

"سچ تو یہ ہے کہ یہ کیمپ اور یہ سماں ہزاروں ڈنگوؤں سے بہتر ہے"۔ تانیا نے اپنے آپ سے کہا۔

لیکن دریا اسے اب بھی پکارتا رہا اور چٹانوں سے ٹکراتی موجوں کی آواز اس کے کانوں میں گونجا کی۔ آخر وہ اتنی شدت سے کیوں چاہ رہی تھی کہ کچھ ہو کوئی بالکل نئی بات۔ اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئے ؟

۲

تانیا نے سوسن کے جو پھول دلدل میں سے اکھاڑے تھے وہ اب تک تر و تازہ تھے۔ اس نے ان کی جڑیں بھیگی گھاس اور کائی میں لپیٹ دی تھیں اور ڈنٹھلوں کو برچ کی چھال سے ڈھانپ دیا تھا۔ ان پھولوں کو بانہوں میں سنبھالے اور کندھے سے تھیلا لٹکائے وہ کسی ایسے مسافر کی مکمل تصویر معلوم ہو رہی تھی جو دور دراز کے سفر کے ارادے سے نکلا ہو۔

جس تبدیلی کی اسے آرزو تھی امید سے زیادہ جلد وہ تبدیلی اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔ ڈاکٹر کے اس اعلان پر کہ شبنم بچوں کے لئے نقصان دہ ہے، کیمپ اٹھا دیا گیا تھا اور بچوں کو شہر واپس بھیجا جا رہا تھا۔ خزاں کا موسم آن پہنچا تھا۔ گرمیوں کے زمانے کے پھول ختم ہوتے جا رہے تھے۔ اور پچھلے ایک ہفتے سے صبح کے وقت خیمے

اوس سے بھیگ جاتے تھے۔ شبنم کی بوندیں پیڑوں اور گھاس کی پتیوں سے دوپہر تک چپکی رہتیں۔ اور اب شبنم کی ہر بوند سانپ کے زہر کی طرح خطرناک تھی۔

لیکن سفر زیادہ لمبا نہ تھا۔ صرف اس سڑک کے آخر تک جانا تھا جہاں سے ایک رات قبل ایک بس گڑگڑاتی ہوئی تانیا کے پاس سے گزر گئی تھی۔ بالکل نئی بنی ہوئی سڑک جو ایک جنگل میں سے نکل کر دوسرے میں جا داخل ہوتی تھی۔ سفید ریت سے اس قدر اٹی ہوئی تھی کہ دھول کے اونچے بادلوں کو سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے فر کے بوڑھے اور طویل قامت درخت بھی کسی طرح نہ ہٹا سکتے اور لاچاری سے اپنے نیلے پنجے ہلا ہلا کر اسے کم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

دوسرے بچوں کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے دھول کے سنہرے حلقے میں گھری ہوئی تانیا نے اس منظر پر گہری نظر ڈالی۔ فلکا اور اس کا باپ تانیا کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور رین ڈیر جلوس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ گرد و غبار اور سامان سے لدے چھکڑوں کے پیچھے مارچ کرتے ہوئے بینڈ کی اور ہر آدھ گھنٹے بعد بجائے جانے والے بگل کی تیز آواز رین ڈیر کو بھی بہت کھل رہی تھی۔ جب ٹینکوں پر سوار سرخ فوج کے سپاہی پاس سے گزرے اور بچوں کو دیکھ کر انھوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں تو رین ڈیر چونک پڑا اور لگام کو اپنی طرف اتنی زور سے کھینچا کہ وہ شکاری کی مٹھی سے سرک گئی۔ پلک جھپکنے میں رین ڈیر جست بھر کے جنگل میں جا گھسا اور اسباب کی گٹھری سمیت صنوبر کے جھنڈ میں غائب ہوگیا۔

فلکا اور تانیا کی من بھاتی اور ضروری چیزیں اسی گٹھری میں تھیں چنانچہ رین ڈیر کو ڈھونڈنے کے لئے وہ واپس پلٹے۔

برچ کے نازک درختوں کے ایک جھرمٹ میں لرزتے درختوں کی طرح وہ بھی ڈر سے کانپ رہا تھا۔ بڑی دیر بعد اور بہت مشکل سے بہلا پھسلا کر اسے جنگل سے باہر لایا گیا۔ مگر جتنی دیر میں وہ دونوں سڑک پر واپس آئے اس وقت تک بگل کی آواز غائب ہو چکی تھی، گرد کے بادل چھٹ گئے اور فر کی ڈالیاں ساکت تھیں۔ قافلہ آگے نکل چکا تھا۔

آخر کار جب تانیا کندھے پر سفری تھیلا سنبھالے اور سڑک کے نوکیلے کنکروں کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے کرمچی جوتے پہنے اپنے گھر پہنچی تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی اماں دیر تک انتظار کرنے کے بعد روزانہ کی طرح ہسپتال جا چکی تھیں اور انا کپڑے دھونے کے لئے دریا پر چلی گئی تھی۔ لیکن باغیچہ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا تانیا اندر داخل ہو گئی۔

تھکے ہارے مسافر کو آرام بھی جلد ہی مل جاتا ہے۔ اس کو تو صرف ایک گلاس ٹھنڈا پانی اور زمین پر ہاتھ پھیلا کر گھاس پر لیٹ جانا ہی کافی ہوتا ہے۔

جنگلے کے نیچے کی گھاس مرجھا رہی تھی اور رات کے کہرے نے اس کی نوکیں سمیٹ دی تھیں۔ لیکن ہر رات کو گھاس کے وہ ٹڈے وہاں شور مچاتے جن کی اس شہر میں موجودگی ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی۔ اور پھر وہاں پانی تو تھا ہی بہتا پانی نہیں بلکہ وہ پانی جسے برف پر پھسلنے والی سلیج گاڑی سے بندھے پیپے میں بھر کر جاڑے اور گرمی میں صحن کے بیچوں بیچ رکھا جاتا تھا۔

تانیا نے پیپے کی ڈاٹ باہر نکال کر پھولوں کو پانی دیا اور ان کی جڑوں کے گرد لگی کائی بھگوئی اس کے بعد اس نے خود پانی پیا اور برساتی کے پاس لگے درختوں کا معائنہ

کرنے لگی۔ ایک گھنا فر اور ایک نازک برچ کا درخت ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ فر تو ابھی تک اپنی پوری شان سے لہلہا رہا تھا اور اس نے آدھے صحن پر سایہ کر رکھا تھا مگر برچ پیلا پڑ رہا تھا۔ تانیا نے اس کے سفید گانٹھ دار تنے کو چھوا۔

"خزاں سچ مچ آن پہنچی؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اور برچ نے ایک خشک پتا اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں گرا دیا۔

"ہاں آگئی" تانیا نے خود سے کہا "گو کھڑکی کے نیچے آئیرس کے پھول ابھی تازہ معلوم ہوتے ہیں شاید یہ میرے سوسن بھی کچھ دن چل جائیں۔ لیکن گھر والے کہاں ہیں؟"

کوئی شے اس کے پیروں سے آلگی اور آہستہ سے خُرخُر کرنے لگی۔ اس نے نیچے نظر ڈالی۔ اس کی بلی قراقنی اپنے بچوں کو وہاں لاکر تانیا کا دل خوش کرنے کے لئے ان سے کھیل تماشے کروا رہی تھی۔

بطخ بھی پو قدمے چلتی ہوئی آئی۔ ایک کیڑا اس کی چونچ سے لٹک رہا تھا۔ گرمیوں بھر میں بلی کے بچے بڑے ہو چکے تھے۔ اور سب سے چھوٹا بچہ "عقاب" بھی اب بطخ یا کیڑوں سے نہیں ڈرتا تھا۔

ایک کتا پھاٹک پر نمودار ہوا۔ اس کا جسم چھوٹا، اور سر بہت بڑا تھا۔ وہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ تانیا کو دیکھ کر وہ پھاٹک پر ٹھٹھکا اور تانیا کی آمد پر سب سے آخر میں اس کا سواگت کرنے کی وجہ سے اس کی دھندلی آنکھوں میں شرمندگی کی ایک کرن چمکی۔ اس نے چاہا کہ واپس لوٹ کر یہ ظاہر کرے کہ تانیا کو اس نے دیکھا ہی نہیں۔ کتے کی زندگی میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور بغیر ذرا سی دم ہلائے اس نے یہ ظاہر کیا کہ پانی کے پیپے کی طرف مڑ رہا ہے۔ لیکن اس کی چالاکی کو تانیا کی آواز نے شکست دیدی۔

"ٹائیگر! ـــ" تانیا پکاری

فوراً اپنی ٹھنگنی ٹانگوں سے جست بھر کر وہ تانیا کے گھٹنوں سے لپٹ گیا۔ تانیا بہت دیر تک اس کا سر سہلاتی رہی۔ ٹائیگر کے بال چھوٹے چھوٹے اور سخت تھے جن کے نیچے جلد میں بڑھاپے کی جھریاں پڑ چکی تھیں۔

اپنے زوردار ناموں کے باوجود یہ سارے پالتو جانور بوڑھے اور کمزور تھے!

ٹائیگر کو پیار سے دیکھتے ہوئے تانیا نے انا کی آہٹ نہیں سنی جب نظریں اٹھائیں تو وہ سامنے کھڑی تھیں! ان کے چہرے پر بھی گہری جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ اور بڑھاپے نے آنکھیں دھندلا دی تھیں۔ انھوں نے کپڑوں کی بالٹی زمین پر رکھ کر تانیا کو پیار کیا۔

"تم بھی اپنے فلکا جیسی ہی شریر ہو ـــ"

انا بولیں۔

"تمھاری اماں تمھارا راستہ دیکھتے دیکھتے تھک کر ہسپتال چلی گئیں۔ اب ہم اور تم اکیلے ہیں۔ ہم دونوں تو ہمیشہ ہی اکیلے رہتے ہیں۔ سماوار سلگا دوں؟ کچھ کھاؤ گی۔ پتہ نہیں کیمپ میں کیا بلا بتر کھلاتے ہونگے تم سے چلتا بھی نہ ہوگا وہاں کا کھانا۔"

تانیا کو بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ اپنا سفری تھیلا اٹھا کر وہ اندر چلی گئی۔ اور سنسان کمروں میں گھومتی پھری۔ الماری میں رکھی کتابوں پر انگلی پھیری۔ انا ٹھیک کہتی تھیں۔ تانیا کو زیادہ تر اکیلے ہی رہنا پڑتا تھا اور اس کے پاس فرصت ہی فرصت تھی۔ اتنی فرصت اور آزادی اسے بے حد کھلتی تھی۔ وہ اکلوتی لڑکی تھی اور اماں زیادہ تر

باہر رہتی تھیں۔ ایک ایسے جذبے کے اچانک ریلے نے جو تلخ بھی تھا اور نرم بھی، اس کی آنکھیں نم کر دیں۔ یہ جذبہ کہاں سے آیا؟ ماں کے ہاتھوں کی مہک یا ماں کے کپڑوں کی خوشبو یا ان کی ممتا بھری نظروں کی یاد نے جو ہمیشہ تانیا کے ساتھ رہتی تھی اس جذبہ کو جنم دیا۔؟ جب تانیا چھوٹی سی تھی تو جیسے ہی اماں باہر جانے لگتیں وہ دھاروں رونا شروع کر دیتی۔ لیکن اس وقت وہ ماں کو گہرے پیار سے یاد کر رہی تھی۔

اس نے انّا سے نہیں پوچھا کہ اماں کب واپس آئیں گی۔ الماری میں لٹکے ایک فراک کو چھوا، پلنگ پر بیٹھی اور پھر باہر باغ میں چلی گئی۔ جنگل سے لائے ہوئے پھولوں کا بھی تو کچھ بندوبست کرنا تھا!

”خزاں آگئی تانیا، اب پھولوں کے پودے لگانے کا وقت نہیں رہا“ انّا نے کہا ”اسے تم خزاں کہتی ہو۔؟ وہ دیکھو“ تانیا نے جواب دیا۔

خزاں حسبِ معمول کہرے کے ساتھ شہر پر سے گزر رہی تھی۔ قریب کے پہاڑوں کو سدا بہار درختوں نے سیاہ کر رکھا تھا، جیسے موسم بہار ابھی موجود ہو۔ سورج جنگلوں پر دیر میں ڈوبتا تھا اور مکانوں کی پھلواریوں میں بڑے بڑے بے خوشبو پھول موسم خزاں کے شروع تک کھلے رہتے تھے۔ دلدل کے سفید پھول بھی کچھ دنوں کھلے رہیں گے۔ اگر مرجھا بھی گئے تو ان کی جڑیں زمین میں موجود رہیں گی۔

تانیا نے ایک کھرپی سے ایک کیاری میں چھوٹے چھوٹے گڈھے کھودے، پھولوں کے پودے لگائے اور ان کے تنوں کو لکڑیوں سے باندھ دیا۔

ٹائیگر کیاریوں کو سونگھتا پھرا۔ پھر اپنا بڑا سا سر زمین سے اٹھا کر اس نے جنگلے کی طرف دیکھا۔ تانیا نے بھی نظریں اٹھائیں۔

جنگلے پر فلکا صاحب براجمان تھے۔ جوتے اور جیکٹ اتار دیئے تھے محض بنیان پہن رکھی تھی اور بس اُچھلے پڑ رہے تھے۔

"تانیا ـــ ہمارے گھر آؤ ـــ فوراً۔ ابا نے مجھے برف کی گاڑی میں جوتنے والے کتوں کی جوڑی دی ہے۔ سچ مچ ـــ!"

لیکن تانیا کیاری کھودنے میں مصروف رہی۔ اس کے ہاتھ مٹی میں لت پت تھے اور چہرہ پسینے سے چمک رہا تھا۔

"گپ مت ہانکو۔ تمھارے ابا نے تمھیں کچھ نہیں دیا وِیا۔ ابھی ابھی تو ہم لوگ شہر پہنچے ہیں۔"

"سچی ـ جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ ابا یہ جوڑی پرسوں لائے تھے اور مکان کی مالکن نے اسے میرے لئے سائبان میں باندھ لیا تھا۔ ابا چاہتے تھے کہ یہ تحفہ مجھے اچانک ملے ـــ وہ کہہ رہے ہیں کہ تم بھی آن کر دیکھ لو یہ جوڑی ـــ"

تانیا نے پھر فلکا کو دیکھا۔ ممکن ہے یہ بات گپ نہ ہو۔ بعض مرتبہ بچے جن چیزوں کا خواب دیکھا کرتے ہیں وہ ان کو مل بھی جاتی ہیں۔ اور عموماً ان کے ابا ہی ان کے خواب سچے کر دیتے ہیں۔ تانیا نے ایسے قصے کتابوں میں اکثر پڑھے تھے۔

اس نے کھرپی زمین پر پھینکی اور باہر سڑک پر نکل آئی۔ فلکا پڑوس ہی میں رہتا تھا۔ فلکا نے پھاٹک کھولا اور تانیا کو کتے دکھلائی دے گئے۔ فلکا کے والد ان کے پاس جھکے بیٹھے تھے۔ اور پائپ کے ویسے ہی زوردار کش لگا رہے تھے۔ رین ڈیر ایک جنگلے سے بندھا کھڑا تھا۔ اور اصل نسل اسکیمو کتوں جیسے دو دُم کٹے کتے ایک دوسرے کے پاس پاس زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ اپنی تیز حساس تھوتھنیاں

اٹھائے بغیر انھوں نے تانیا کو غصّے سے گھورا۔شکاری، تانیا اور کُتوں کے درمیان آگیا۔"بہت بدمزاج کُتے ہیں بٹیا۔"

"تمھارے اس آسٹریلین ڈنگو سے بھی زیادہ ۔"

فلکانے گرہ لگائی۔

"مجھے پتہ ہے اسکیمو کُتے کیسے ہوتے ہیں۔ لیکن ڈنگو کُتوں سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ان کو جوت دیجئے مہربانی سے۔"

شکاری کو بہت تعجب ہوا۔گرمیوں کے موسم میں کُتوں کو جوتنا حماقت تھی۔ لیکن جب فلکانے بھی یہی درخواست کی تو اس نے سائبان میں سے سلیج نکالی اور کُتوں کو اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔وہ غراتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔

تانیانے جوتنے کے سامان کے شاندار کپڑے اور چمڑے کو سراہا۔کتوں کے سروں پر لگے ہوئے پروں کے تاج بڑے ٹھاٹھ سے لہرا رہے تھے۔

"بے حد خوبصورت تحفہ ہے۔" تانیانے کہا۔ شکاری بہت خوش ہوا کیونکہ لڑکی کے ان الفاظ سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ کس قدر دریا دل باپ ہے۔

وہ لوگ کچھ دیر تک سلیج پر بیٹھے رہے۔ تانیانے لوہے کی موٹھ والا ڈنڈا سنبھال رکھا تھا۔

کُتے سلیج کو میدان پر سے کھینچ لے جانے کی کوشش میں بے تاب تھے۔ ان کے اس جوش و خروش کے صلے میں شکاری نے اپنے تھیلے میں سے خشک سامن مچھلی نکال کر ان کے سامنے پھینکی پھر اس نے دو چھوٹی چھوٹی خشک مچھلیاں جو دھوپ میں چمک رہی تھیں جیب سے نکال کر کے تانیا اور فلکا کو دیں۔ فلکا مچھلی زور زور سے چبانے لگا۔

تانیا نے پہلے تو انکار کیا پھر وہ بھی کھانے میں مشغول ہو گئی۔

شکاری اپنے سفر کے لئے تیار ہوا شہر سے روانہ ہونے کا وقت آ گیا تھا کیونکہ رین ڈیر یہاں دن بھر بھوکا رہتا تھا۔

کتوں کو سائبان میں لے جا کر اس نے ان کو سلیج سے علیحدہ کیا اور رین ڈیر کو کھول کر اسے تھوڑا سا نمک چٹایا۔ شکاری کا سامان پہلے ہی بندھ چکا تھا۔

بچے سڑک تک جا کر اس سے رخصت ہوئے۔ شکاری نے پہلے ایک اور پھر دوسرا ہاتھ تانیا کے ہاتھوں میں دیا کیونکہ اپنے پڑوسیوں سے اسی طرح رخصت ہوا جاتا ہے۔ پھر اس نے تانیا سے کہا پہلی برف باری کے بعد وہ اس سلیج پر بیٹھ کر اس سے ملنے کے لئے آئے اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو لپٹایا۔ "اچھے شکاری اور اچھے طالب علم بنو۔" پھر کوسٹیا کی شکایت یاد کر کے اس نے کہا "اور اپنی ٹانی کا خیال رکھو۔"

رین ڈیر کی لگام پکڑے پکڑے وہ سڑک کے موڑ تک پہنچا اور مڑ کر آخری بار بچوں پر نظر ڈالی۔ لگتا تھا جیسے اس کا سانولا چہرہ لکڑی سے تراش کر بنایا گیا ہے مگر اتنے فاصلے سے بھی اس کا دوستانہ انداز صاف نظر آ رہا تھا۔ تانیا کو اس کے جانے کا بہت افسوس تھا۔

"تمھارے ابا بہت اچھے ہیں فلکا۔" اس نے اداس ہو کر کہا۔ جب تک ابا میری ٹھکائی نہیں کرتے مجھے بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"مارتے ہیں تمھیں؟"

"کبھی کبھار جب شراب کا نشہ بہت چڑھ جائے تبھی۔"

"ارے رے سچ سچ ۔" تانیا نے سر ہلایا۔

"تمھارے ابا نے تمھیں کبھی نہیں مارا؟ وہ رہتے کہاں ہیں؟ میں نے تو ان کو آج تک نہیں دیکھا!"

تانیا نے فلکا کو غور سے دیکھا۔ کہیں وہ محض ٹوہ لگانا یا مذاق اڑانا تو نہیں چاہتا؟ جہاں تک اسے یاد تھا اس نے فلکا سے کبھی اپنے ابا کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن فلکا نے اطمینان کے ساتھ تانیا سے نظریں چار کیں۔ اس کی آنکھوں میں صاف دلی جھلک رہی تھی۔

"نہیں" تانیا نے جواب دیا۔ "میرے ابا نے مجھے کبھی نہیں مارا۔"

"تب تو تم ان سے بہت پیار کرتی ہو گی۔"

"نہیں۔"

"کمال ہے!" فلکا نے ایک لمحہ چپ رہنے کے بعد کہا۔

"کیوں؟"

تانیا نے بھوئیں سیکڑیں اور فلکا فوراً خاموش ہو گیا۔ جیسے کسی نے اس کی زبان کاٹ لی ہو۔ تانیا نے محسوس کیا کہ اب وہ کبھی اس سے کوئی اور سوال کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔

اچانک وہ شرم سے سرخ ہو گئی۔ "میں اپنے ابا کو جانتی ہی نہیں۔"

"انتقال ہو گیا ان کا؟"

تانیا نے آہستہ سے انکار میں سر ہلایا۔

"پھر ۔۔۔؟ کہاں ہیں وہ"

"بہت دور ___ سمندر پار شاید"

"امریکہ میں؟"

تانیا نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

"امریکہ ___ مجھے پتہ نہیں"

تانیا نے ایک بار پھر انکار میں سر ہلا دیا۔

"پھر کہاں؟"

فلکا کے موٹے موٹے ہونٹ کھلے ہوئے تھے۔ تانیا نے اسے بے حد حیران کر دیا تھا۔

"تم کو معلوم ہے الجزائر اور طیونس کہاں ہیں؟" تانیا نے سوال کیا۔

"افریقہ میں۔ تمہارے ابا وہاں ہیں؟"

تانیا نے اداسی سے پھر سر ہلایا:۔

"نہیں۔ تم نے کبھی مارو سیکا کا نام سنا ہے؟"

"مارو سیکا؟ فلکا نے دہرایا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ مارو سیکا ماسکو کی ایک سڑک کا نام ہے مگر یہ نام اسے پسند آیا۔

"مارو سیکا بڑا خوب صورت ملک ہوگا"

"ہاں" تانیا نے دھیرے سے جواب دیا "ابا وہیں ہیں" پھر وہ تیزی سے اپنے باغیچے میں چلی گئی اور فلکا بھونچکا کھڑا رہ گیا "مارو سیکا" اس نے پھر دہرایا۔ شاید یہ کسی ایسے جزیرے کا نام تھا جسے وہ ان گرمیوں کی چھٹیوں میں بھول گیا تھا۔ اسے جزیروں کے نام کبھی یاد نہ رہتے تھے۔ وہ ایک شکاری کا لڑکا اور بھولا بھالا طالبعلم

تھا۔ وہ ایک سنسان جنگل میں، ایک چمڑے کے خیمے کے اندر پیدا ہوا تھا اور جزیرے اس کے لئے بے معنی تھے۔

۳

پانی پیپے میں سے نکل کر بڑی خوش گوار "قلقل" کے ساتھ فوارے میں گرتا رہا جیسے یہ ایک پھپھوندی لگے پیپے میں پڑا ہونے کے بجائے ابھی ابھی پہاڑوں کی اونچی چٹانوں میں سے اُبلنے والا ایک ننھا سا آبشار ہو۔

پانی کی نئی نویلی آواز اس لڑکی کے لئے احسان مندی سے گونج رہی تھی جس نے کلائی کی ایک جنبش کے ذریعے اسے قید سے آزاد کر دیا تھا۔ گنگناتے ہوئے اس پانی نے ایک خوب صورت سی ندی کی طرح بہہ کر لڑکی کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔ لیکن لڑکی کا دھیان کہیں اور تھا۔ لکڑی کی ڈاٹ ہاتھ میں سنبھالے وہ اپنے باپ کے متعلق سوچ رہی تھی۔ فلکا کے ساتھ اس کی بات چیت نے پرانی، تکلیف دہ یادوں کو تازہ کر دیا تھا۔

ایک ایسے انسان کے متعلق سوچنا بہت مشکل تھا جس سے وہ بالکل واقف نہ تھی اور جس کے بارے میں صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ اس کا باپ تھا اور کہیں دور ماسکو کی ماروسیکا اسٹریٹ میں رہتا تھا — لہٰذا اب اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے بارے میں سوچنے لگے۔ عرصہ ہوا وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی تھی کہ اسے اپنے باپ سے محبت نہیں۔ وہ اپنے باپ سے محبت نہیں کر سکتی۔ اور اسے اپنے باپ سے محبت کرنا بھی نہیں چاہیئے۔ اسے معلوم تھا کہ چند سال گزرے اس کا باپ کسی اور عورت

کے عشق میں گرفتار ہو کر اس کی ماں کو چھوڑ چکا تھا۔ شاید اس کے یہاں دوسرے بچے بھی پیدا ہو چکے تھے۔ اس کا باپ اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اور وہ اکثر سوچتی تھی کہ کاش اماں اس شخص کا ذکر ہمیشہ اتنے اچھے الفاظ میں نہ کیا کریں۔

مگر اماں بے حد خود دار ہیں اور اس وجہ سے اپنے شوہر کی برائی نہیں کرتی تھیں۔ لیکن تانیا خود بہت خود دار تھی۔ اسی لئے کبھی اپنے باپ کا تذکرہ نہیں کرتی تھی۔ جب کبھی اسے ان کا نام لینا ہی پڑتا تو اسے بڑا دکھ ہوتا تھا۔

پانی کا جھرنا گرتا رہا۔ مگر تانیا اپنے خیالوں میں غرق تھی۔ فوارے سے نکل نکل کر پانی چاروں طرف بہہ رہا تھا۔ پھولوں کی کیاری کبھی کی بھر چکی تھی۔ کیاری سے نکل کر پانی نے تانیا کے قدم چوم لئے۔ پھر بھی تانیا نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اپنی اس ناکامی پر پانی کا دھارا غصے سے روش پر بکھری سیاہ کنکریوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگا۔

تانیا کے خیالات کا تانا بانا ٹوٹ گیا۔ وہ بے قرار ہو کر چیخ پڑی — اچانک انا برساتی میں کھڑی چلائیں — "ئے کے سارے آنگن میں پانی ہی پانی کر دیا خود بھی کھڑی بھیگ رہی ہو۔ حد ہو گئی۔ ذرا اپنی ماں کا تو خیال کرو جن کو پانی کے پیسے بھرتے پڑتے ہیں۔"

تانیا نے اپنے اوپر نظر ڈالی اس کے ہاتھ کیچڑ میں سنے تھے۔ جوتیاں ٹوٹ گئی تھیں اور موزے شرابور تھے۔ اس نے اپنے پاؤں بوڑھی انا کو دکھائے۔ وہ چلانا بھول گئیں۔ اور تازہ پانی لانے کے لئے جلدی سے کنوئیں کی طرف چل دیں۔

پانی ٹھنڈا تھا۔ تانیا نے ہاتھ پاؤں دھوئے۔ "تم اب سیانی ہو رہی ہو لیکن تمھارا

بچپنا ابھی تک نہیں گیا تم بڑی فلسفی بھی تو ہو نا" انا بڑبڑائیں۔

"فلسفی! کیا مطلب؟ یہی نہ کہ میں بہت ذہین ہوں؟"

"ذہین؟ ہرگز نہیں ــــ بے وقوف ہو ــــ جاؤ اندر جا کر موزے بدلو۔"

مضبوط ہاتھوں والی یہ بوڑھی مگر محنتی عورت بات چیت سے ایک مخصوص لہجے کی مالک تھی۔ اس نے تانیا کو جب وہ ننھی سی تھی اکثر اپنے ہاتھوں سے نہلایا تھا۔

تانیا نے دروازے پہ جوتے اتارے اور اندر چلی گئی۔ ہرن کی کھال کے غالیچے پر اپنے پاؤں گرم کئے اور اماں کے تکیئے کے نیچے ہاتھ ٹھونس دیئے تاکہ انھیں بھی سینک پہنچے۔ اس کی انگلیاں تکیہ کے نیچے رکھے ہوئے ایک کاغذ سے ٹکرائیں۔ یہ کاغذ تانیا کو کنوئیں کے ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ سرد معلوم ہوا۔ اس نے کاغذ باہر نکالا۔ ایک مڑا تڑا خط۔ بار بار پڑھے جانے کی وجہ سے جس کے کنارے بھی پھٹ چکے تھے ــــ

کمال ہے ــــ اماں تو اپنے نام آئے ہوئے خط تکیئے کے نیچے کبھی نہیں چھپاتیں۔

تانیا نے لفافے پر نظر ڈالی۔ بھیجنے والے کا پتہ پڑھنے سے پہلے ہی اس کا دل اس طرح اچھلا کہ وہ سمجھ گئی کہ یہ اس کے باپ کا خط ہے۔ شاید انھیں خیال ہو کہ خط اپنی منزل پر حفاظت سے نہیں پہنچے گا اس لئے پتہ بے حد صفائی سے لکھا تھا ــــ

"فلیٹ ۵۳، ۶ مارو سیکا اسٹریٹ۔ ماسکو۔"

تانیا خط پلنگ پر رکھ کر ننگے پاؤں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے لفافہ تکیئے کے نیچے سرکا دیا اور پھر ٹہلنے لگی۔ اس کے بعد اس نے لفافہ دوبارہ نکالا اور خط پڑھنے لگی ــــ

"پیاری ماشا ــــ میں تم کو پہلے بھی کئی خط لکھ چکا ہوں۔ لیکن شاید وہ تم کو

ملے نہیں ۔تم دونوں اتنی دور ـــــ دنیا کے دوسرے سرے پر رہتی ہو۔

"میری پرانی تمنا آخر کار پوری ہوگئی ۔ ملک کے سب سے مشرقی حصہ میں یعنی تمہارے ہی شہر میں میرا تبادلہ کر دیا گیا ہے ۔ ہم سب ـــــ نادیا، کولیا اور میں ـــــ ہوائی جہاز کے ذریعے آرہے ہیں۔ کولیا تانیا کے ہی اسکول میں جائے گا۔ اس کا داخلہ تانیا ہی کی کلاس میں ہوگیا ہے۔ تم جانتی ہو کہ یہ بچہ میرے اور نادیا کے لئے کتنا قیمتی ہے اور ہم اسے کتنا چاہتے ہیں ۔ ہم ولادی دوستک سے پانی کے جہاز میں سوار ہوں گے ۔ تم مہینے کی پہلی تاریخ کو ہماری منتظر رہو۔ تانیا کو ساری باتیں سمجھا دو۔ مجھے دکھ ہے کہ میں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم اور تم علیحدہ ہو گئے اور تمہاری میری اور نادیا کی زندگیوں نے موجودہ شکل اختیار کی۔ ان حالات کے لئے میں قصوروار نہیں ہوں۔ لیکن مجھے افسوس یہ ہے کہ گو تانیا مجھے بہت پیاری ہے، میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ۔ نہ ہی باقاعدگی سے اسے خط لکھے۔ وہ بھی مجھے کبھی کبھار ہی لکھتی تھی۔ اور اس کے ان اولین خطوں سے، جب اس نے نیا نیا لکھنا سیکھا تھا اور ایک صفحہ پر تین چار ہی لفظ لکھ سکتی تھی، ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ مجھے مجرم سمجھتی ہے ۔ وہ مجھے بالکل نہیں جانتی ۔ یہ خیال کہ ہماری ملاقات کس قسم کی ہوگی مجھے ڈرا دیتا ہے ۔ جب ہم اور تم جدا ہوئے وہ صرف آٹھ مہینے کی تھی ۔ کتنے منّے منّے پاؤں تھے اس کے ۔ پیروں کی انگلیاں مٹر کے دانوں جیسی منّی سی تھیں ۔ اس کے ہاتھ ننھے مُنے اور گلابی گلابی سے تھے ۔ مجھے یہ سب کچھ کتنی اچھی طرح یاد ہے ۔"

لیکن تانیا کو کچھ یاد نہ تھا ۔ اس نے اپنے چکنے ننگے پیروں اور خوب صورت تلووں پر نظر ڈالی کتنے آرام وہ پاؤں تھے اس کے اپنے ہاتھوں کو دیکھا ۔ نازک کلائیاں،

مضبوط انگلیاں۔ جب وہ بڑی ہوئی تو اس کے ہاتھوں کی مضبوطی پر خوش ہونے والا اس کی ماں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ کوئی آدمی اگر راستے کے کنارے پر ہی مٹر بودے اور پودے نکل آئیں تو وہ ہر صبح آکر ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

تانیا رو پڑی۔ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ پھر آنسو تھمے اور چین سا پڑ گیا بھوک یا پیاس کی طرح مسرت کا یہ جذبہ بھی فطری تھا۔ اس کا باپ آرہا تھا۔!

وہ پلنگ پر کودنے لگی اور تکیے فرش پر بکھیر دیئے۔ پھر چت لیٹ کر دیر تک چپکے چپکے روتی اور ہنستی رہی۔ یہاں تک کہ اسے اچانک یاد آیا کہ اسے اپنے باپ سے محبت نہیں ہے۔ آخر اس کی خودداری کو کیا ہوا؟ کیا اس لڑکے کولیا نے اس سے اس کے باپ کی محبت نہیں چھین لی تھی؟

مجھے ان سب سے نفرت ہے۔ سخت نفرت ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا اور انتہائی دکھ اور رنج سے اس کا دل پھٹنے سا لگا۔

وہ کود کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بے حد غصے کے ساتھ کھڑکی کے پٹ کو دھکا دیا۔ کھڑکی کھل گئی۔ دن میں تیسری بار پھر اسے فلکا دکھلائی دیا۔ ظاہر تھا کہ فلکا کا دل ایسے شبہوں اور غموں سے آزاد تھا جو تانیا کو کھائے جا رہے تھے۔ وہ کھڑکی کے نیچے مٹی کے تودے پر بیٹھا بڑی توجہ سے ایک اٹلس کا مطالعہ کر رہا تھا۔

"ماروسیکا نامی کوئی ملک دنیا میں نہیں ہے"۔ فلکا نے اطلاع دی۔

"مراقش ایک ملک ہے۔ اور ایک جزیرہ ماجورکا کہلاتا ہے مگر ماروسیکا نام کا کوئی جزیرہ، جزیرہ نما یا براعظم دنیا میں موجود نہیں تم مجھے بے وقوف بنا رہی تھیں؟ کیوں جی؟"۔

"چپ رہو فلکا ۔۔۔ اب ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالنا۔ ہو یا نہ ہو۔ کوئی پرواہ نہیں۔"

"کیا میری اس بات سے تم کو پہنچا تانیا؟"

فلکا نے دیکھا کہ تانیا کی پلکوں پہ آنسو لرز رہے ہیں۔ اس کا دل نرم پڑ گیا۔ کیونکہ وہ سچ کی طرح جھوٹ بھی آسانی سے بول سکتا تھا۔ اس نے اٹیلس پر مُکا مار کر کہا

"ماروسیکا نام کا ملک ہے۔ بالکل سو فی صدی ۔۔۔ یہ پرانی اٹیلس بالکل بکواس ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے استانی نے ماروسیکا پر سبق پڑھایا تھا۔"

تانیا نے پہلی بار فلکا کی بات غور سے سنی۔ "یہ واقعی سچا دوست ہے۔ ہر چیز، معمولی سے معمولی چیز اور چھوٹی سے چھوٹی بات میں میرے ساتھ حصّہ بٹانے کے لئے تیار ہے۔" اس نے دل میں کہا اور پھر اونچی آواز میں بولی "میں تمھاری بات نہیں کہہ رہی تھی۔ ایک اور لڑکا ہے۔ کولیا ۔۔۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ معاف کر دو۔" لیکن تانیا کی آواز میں نرمی کی جھلک محسوس کر کے فلکا اسے پہلے ہی معاف کر چکا تھا۔

"اگر تم اس کولیا کے متعلق نہیں سوچنا چاہتیں تو کیوں اپنے آپ کو پریشان کرتی ہو۔ مجھے اس قصّے سے کوئی مطلب نہیں مگر یہ بتاؤ کہ یہ لڑکا تمھیں کیوں پسند نہیں؟"

تھوڑے سے وقفے کے بعد تانیا نے جواب دینے کے بجائے خود ایک سوال کیا:۔

"تمھارے خیال میں لوگوں کو خوددار ہونا چاہیئے ۔۔۔ فلکا ۔۔۔؟"

"یقیناً ۔۔۔ اگر تم اس چھوکرے کولیا کے بجائے اپنا ذکر کر رہی ہو ۔۔۔۔۔"

بالکل خود دار ہونا چاہیئے۔ اور رہا وہ چھوکرا تو اس سے تمھیں کیا لینا۔ اگر کبھی تمھیں کمند پھینکنے اور لاٹھی سنبھالنے والے مضبوط ہاتھوں کی ضرورت پڑے تو فوراً میرے پاس آنا۔ شمالی جنگلوں میں شکار کھیلتے وقت میں دونوں چیزوں میں پوری مہارت حاصل کر چکا ہوں۔"

"لیکن تم اسے جانتے تو ہو نہیں۔ اس کی ٹھکائی کرنے پر کیوں تُل گئے؟"

"میں تمھیں تو جانتا ہوں۔"

بے انصافی اور زیادتی کا جواب آنسو کے بجائے گھونسے لات سے دینے کا خیال تانیا کو احمقانہ بالکل نہیں معلوم ہوا۔ بلکہ یہ تو گویا بے حد فطری اور ظاہری سی بات تھی۔ وہ بے یقینی جو اسے پریشان کئے جا رہی تھی ایک دم غائب ہو گئی۔ وہ خود لاٹھی اور غلیل چلانے کی ماہر تھی۔ کئی چڑیاں اس کے غلّوں کا نشانہ بن چکی تھیں۔ لیکن اسی اچانک پن سے اس کے خیالات بدل گئے۔ میں بے حد کمینی ہوتی جا رہی ہوں۔ اس نے دل میں سوچا۔

یکایک فلکا کھڑکی کے پاس سے کھسک کر ذرا جھینپتے ہوئے خلا میں دیکھنے لگا اور اپنی اٹیلس بغل میں مضبوطی سے دبا کر تیر کی طرح باغیچے سے نکل گیا۔

ڈاکٹر کے سفید لباس پر برساتی پہنے تانیا کی ماں اس کے بالکل پیچھے کھڑی ہوئی تھیں! تانیا نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ اور دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ وہ ہمیشہ سے بے حد مختلف معلوم ہو رہی تھیں۔ اسی طرح جیسے جب کسی چیز کو اپنی آنکھوں کے بالکل قریب لے آؤ تو اس چیز کی مانوس شکل مبہم ہو جاتی ہے۔ ماں کے چہرے پر باچھوں کی بے حد باریک لکیریں، سیک پیروں میں بڑے بڑے جوتے۔ وہ اپنے حلیے

کی طرف سے ہمیشہ بے پرواہ رہتی تھیں — مریضوں کا انتہائی توجہ سے علاج اور دیکھ بھال کرنے والے نازک ہاتھ تانیا کو نظر آئے ۔ ہر چیز بدلی ہوئی تھی ۔صرف ان کی نگاہیں ہمیشہ جیسی تھیں ۔ وہ ویسی ہی تھیں جیسی تانیا ان کو ہمیشہ سے دیکھتی چلی آئی تھی ۔ ماں کی بھوری آنکھوں نے تانیا کو دیکھا جس طرح نمک کی چٹکی سمندر میں غائب ہو جاتی ہے اس طرح تانیا کا سارا دکھ ان نگاہوں میں فوراً گھل مل گیا ۔ اس نے آہستہ سے ماں کو پیار کیا اور اس ڈر سے کہ کہیں ان نظروں کی جگمگاہٹ دھندلا نہ جائے ان کی آنکھوں کو نہیں چھوا ۔ انتہائی معصومیت کے ساتھ اس نے پکارا — اماں !

ماں نے اس کو لپٹا لیا ۔

"میں جلد از جلد گھر آ گئی ہوں — چھٹیوں میں تم مجھے بے حد یاد آئیں" تانیا نے جلدی جلدی کہا ۔

ماں نے تانیا کو متلاشی گہری نظروں سے ، غور سے دیکھا اور دھوپ سے پھیکے پڑے ہوئے بالوں سے لے کر دھوپ میں تمتماتے ہوئے چہرے تک کا جائزہ لے ڈالا ۔

کیمپ میں اس کی صحت بہت اچھی ہو گئی — انھوں نے سوچا ۔

لیکن تانیا کے پیروں کو دیکھ کر ان کو بڑی حیرت ہوئی ۔ ننگے پاؤں — !

اسی لمحے انھوں نے کمرے کی حالت پر نظر ڈالی — فرش پر بکھرے تکیے ، پلنگ پوش کی سلوٹیں ، لفافے کے بغیر کھلا ہوا خط —

ان کی نظروں کی جھلملاہٹ جو تانیا اپنے مس سے دھندلانا نہ چاہتی تھی —

آپ سے آپ ختم ہو گئی۔ جیسے آندھی کے کسی جھونکے نے بجھا دی ہو۔ ان کی نظروں سے اب فکر، پریشان خیالی خطرے کا احساس جھلکنے لگا۔ اور تانیا کو ایسا لگا جیسے وہ اس کے سامنے کوئی جھوٹ موٹ کی بات بنانا چاہ رہی ہوں۔ ورنہ پھر اماں نے تکیئے اٹھا کر پلنگ پر قرینے سے رکھنے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟

"تم نے خط پڑھ لیا تانیا" انھوں نے آہستہ سے پوچھا۔

تانیا نے سر جھکا لیا۔

"تم کو خوش ہونا چاہیئے تانیا"

تانیا چپ رہی۔

ماں خاموشی سے اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔

"اماں کیا وہ لڑکا میرا بھائی ہے؟"

"نہیں اس سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں۔ وہ تادیا۔ تادیز وا پیٹر ونودا۔ کا بھانجا ہے مگر ان لوگوں نے اس کی پرورش کی ہے۔ تمھارے باپ کو اس سے بے حد محبت اور ہمدردی ہے کیونکہ وہ بچہ یتیم ہے۔ میں تم کو بتا ہی چکی ہوں کہ تمھارے آپا بہت نرم دل انسان ہیں۔

"پھر تو وہ اجنبی ہوا۔ میرا بھائی تک نہیں ہے۔" تانیا نے سر اور زیادہ جھکا لیا۔

ماں نے نرمی سے تانیا کا چہرہ اٹھا کر کئی بار پیار کیا۔ "تانیا میری جان۔ ہم اور تم دونوں مل کر اس مسئلے پر کسی اور وقت بات کریں گے۔ تم خود گھاٹ پر جا کر ان سے ملنا۔ تمھارے آپا بہت خوش ہوں گے جاؤگی نا؟"

"اور تم اماں ــــــ؟"

ماں نے نظریں بچا کر دوسری طرف دیکھا۔

"نہیں تانیا میں نہیں جا سکتی۔ تم کو پتہ ہے میں کتنی مصروف رہتی ہوں۔"

جیسے ہی ماں دوسری طرف مڑی تانیا ان سے لپٹ گئی۔

"اماں مجھے صرف تم سے محبت ہے۔ میں ہمیشہ تمھارے پاس ہی رہوں گی، مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ میں ان لوگوں سے ملنے نہیں جاؤں گی۔"

۴

حیرت کی بات تھی کہ تانیا کے والد کی آمد کے دن تک تانیا کے لگائے ہوئے پھول تر و تازہ اور شاداب بنے رہے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ پیپے سے نکلی ہوئی غصیلی ندی نے جو، ان کو اچھی طرح سینچا تھا یا یہ کہ شمال کے بیشتر بے خوشبو پھولوں کی مانند یہ پھول بھی بہت سخت جان تھے۔ جب تانیا ان کو دیکھنے گئی تو وہ اپنے ڈنٹھلوں پر سر اٹھائے کھڑے تھے!

تانیا نے طے کر لیا کہ وہ انھیں کسی کو نہیں دے گی۔ اس نے بطخ کو جو کیاری میں بیٹھی ہوئی تھی بھگا دیا اور نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا جہاں اونچا مینار جو شہر کے اس شمالی حصے میں جس کے باغوں میں جنگلی چڑیاں صبح صبح چہچہاتی تھیں، دور سے نظر آتا تھا۔ مینار پر جھنڈا نہیں اڑ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ جہاز ابھی تک دکھائی نہیں دیا۔ شاید جہاز کو دیر ہو گئی تھی۔ مگر تانیا کو جھنڈے یا جہاز کی کیا فکر تھی! وہ گھاٹ پر جا ہی نہیں رہی تھی۔ اگر اس نے بالوں میں فیتہ باندھ لیا اور اپنا بہترین فراک بھی پہن لیا تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ وہ گھاٹ پر ہرگز نہیں جائے گی۔ آج تو

اسکول کا پہلا دن تھا۔ تہوار کی طرح بارونق اسکول کا پہلا دن! لیکن اسکول کھلنے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے۔ پھر وہ اتنے سویرے کیوں اٹھ گئی تھی؟

اگر دروازے کی چرچراہٹ نے اس کی ماں کو جگا دیا ہوتا تو وہ فوراً کہتی۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی — کیا کروں نیند ہی نہیں آ رہی۔"

کیا جہاز آئے گا بھی —؟ کہیں یہ وہ خیالی جہاز تو نہیں جس کا وقت اور جگہ مقرر نہیں اور جو شاید عین اس لمحے کسی دوسرے دریا پر تیر رہا ہو اور دوسرے آسمانوں کے کہرے نے اسے لپیٹ رکھا ہو۔؟

کہرہ باغیچے پر بھی چھایا ہوا تھا۔ برچ کے درخت کی ڈالیاں شبنم سے بھیگی ہوئی تھیں۔ اس کا تنا بھی نم تھا۔ درخت ابھی تک سو رہا تھا۔

سویرا ابھی ابھی ہوا تھا مگر سڑک، گھاس اور میدان پر قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی تھی۔ کوئی تیزی سے گھاٹ کی طرف جا رہا تھا۔ کوئی بھائی، بہن سے ملنے؟ کوئی بے صبر باپ بیٹے کو گلے لگانے؟ یا اچھی خبروں کا امیدوار کوئی ماہی گیر —؟ یا یہ شاید فلکا ہو جو اسکول کھلنے سے پہلے آخری بار کبوتر پکڑنے کی فکر میں بھاگا جا رہا تھا۔

تانیا پھاٹک پر بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتی رہی۔ اس کے قدموں کے نیچے اونگھتی گھاس اور سر کے اوپر جھکی، خوابوں میں کھوئی شاخیں سکون کے ساتھ سو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد جہازوں کو کہرے سے خبردار کرنے والے بھونپو کی آواز آئی۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ ایک منتظر دل ہی اسے سن سکتا تھا۔ بہت دور روشنی کے مینار کے پاس سے گزرتی ہوئی دخانی کشتی اپنا بھونپو بجا رہی تھی۔

تانیا پھاٹک کھول کر سڑک پر گئی۔ پھر واپس آگئی اور پھولوں کے پاس کھڑی ہوگئی۔ ابھی یہ پھول مرجھائے تک نہیں۔ انھیں کو توڑ کر لے جائے ابا کے لئے۔ خوش ہو جائیں گے وہ۔ اس نے جھک کر دلدل کے سوسن اور آئرس کے وہ پھول جو اس نے بڑی محنت سے لگائے تھے توڑے اور ٹائیگر کو پکارا۔ ٹائیگر بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے سڑک پر چلنے لگا۔

شہر ابھی تک نیم خوابیدہ حالت میں تھا۔ صرف پہرے کا مینار حسبِ معمول جاگ رہا تھا۔ اس کا روشن دان جیسا ننّا سا دروازہ ہوا کے رخ پر کھلا ہوا تھا۔ جھنڈا لگا دیا گیا تھا جو دریا کی طرف رُخ کئے ہوا میں پھٹپھٹا رہا تھا۔

اِکا دکا جو راہ گیر تانیا کو سڑک پر ملے وہ سب تیز تیز قدم اٹھاتے گھاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چڑھائی کی چوٹی پر آکر تانیا نے ٹھٹھک کر نیچے دریا کو دیکھا۔ درختوں سے ڈھکے پہاڑوں کے چوکھٹے کے اندر دریا کتنا شفاف اور چمکیلا اور کس قدر بڑا معلوم ہو رہا تھا ــــ پہاڑوں کی پرچھائیاں تک اسے پوری طرح نہ چھپا سکی تھیں۔ اسی دریا پر بہتے ہوئے، تانیا ان دور دراز ملکوں کے سارے ساحلوں کی طرف جانا چاہتی تھی جہاں جنگلی ڈنگور رہتے تھے!

چٹان کی طرح بھاری بھرکم اور سرمئی جہاز دھواں اڑاتا گھاٹ پر پہنچا اور اس کی گھن گرج پہاڑوں پر اُگے درختوں کو ہلانے لگی۔ لیکن اتنی دور سے چمکیلے پانی کے میدان میں وہ ایک کھویا ہوا ننھا سا نقطہ معلوم ہو رہا تھا۔ تانیا تیزی سے ڈھلوان سے اترنے لگی۔

جہاز ساحل پر لگ گیا تھا اور آدمیوں سے بھرے ہوئے گھاٹ سے ہٹ کر ہلکے ہلکے جھکولے لے رہا تھا۔ گھاٹ پر لکڑی کے پیپے اس طرح اِدھر اُدھر پڑے تھے جیسے بہت سے دیو لوڈو کھیلنے کے بعد گوٹیں وہیں چھوڑ گئے ہوں۔ جنگلے کے پیچھے کھڑے مسافر رومال ہلا رہے تھے ــــ اس کے لئے بھی کوئی رومال ہلا رہا تھا؟۔ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ خود پر جبر کر کے اس نے بھی ہاتھ ہلایا۔ مگر یہ تو حماقت کی تھی! ابا کو، جنھیں اس نے ساری عمر نہ دیکھا تھا، اتنے بڑے ہجوم میں بھلا وہ کس طرح پہچان سکتی تھی؟ وہ یہ سوچے بغیر ہی بے تکے جذبے اور بے صبر دل کی بات مان کر ساحل پر بھاگ آئی تھی۔ اس کا دل اب بھی زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ دل جو یہ بھی طے نہ کر پایا تھا کہ اب کیا کرے ــــ دھڑکنا بالکل بند کر دے یا اور زیادہ تیزی سے دھڑکے۔

گلدستہ اٹھائے تانیا گھاٹ پر پیپوں کے نزدیک افسردگی کے عالم میں کھڑی رہی۔ اس کی امداد سے قاصر ٹائیگر اس کے پیر چاٹتا رہا۔ لوگ اس کے پاس سے گزرتے جا رہے تھے۔ غالباً وہ تین ــــ وہی لوگ تھے۔ چمکدار نمدے کی ٹوپی والا آدمی۔ عمر رسیدہ سی عورت اور ایک لمبا سینگ سلائی سالٹر کا جو اتنا نفرت انگیز لگ رہا تھا کہ سوائے کولیا کے کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن نہیں یہ لوگ اسے دیکھے بغیر پاس سے نکل گئے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی کے بھی منتظر نہیں تھے۔

اور یا وہ تین آدمیوں کی دوسری ٹولی موٹا آدمی موٹی سی کپڑے کی ٹوپی ایک جوان اور خاصی بدشکل عورت اور ایک لڑکا جو اس آدمی کی طرح موٹا اور پہلے لڑکے سے بھی زیادہ بدقطع تھا۔

یہی ہوں گے تانیا نے سوچا۔

وہ آگے بڑھی لیکن موٹے آدمی نے رکھائی سے اسے دیکھا اور موٹے لڑکے نے سوال کیا —— "یہ پھول بکاؤ ہیں؟"

غصے سے کانپتی ہوئی تانیا اور آگے چلی۔ اور جب تک گھاٹ پر سے مجمع بالکل نہ چھٹ گیا وہ پیپوں کے پیچھے چھپی رہی۔ اب وہ کس کی منتظر تھی؟ سیدھی بات تو یہ تھی کہ وہ لوگ آئے ہی نہ تھے۔

وہ پیپوں کے پیچھے سے نکلی۔ جہاز کا عملہ بھی شہر جا چکا تھا۔ ایمبولنس کے آدمی ایک اسٹریچر اٹھائے اس کے قریب سے گزرے۔ سب سے آخر میں جانے والے وہی تھے اور تانیا ان ہی کے ساتھ ہولی۔ ایک لڑکا کمبل اوڑھے اسٹریچر پر پڑا تھا۔ اس کا چہرہ بخار کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا لیکن تھا ہوش میں اور اسٹریچر پر سے گر نہ جائے اس ڈر سے اس نے اسٹریچر کے دونوں کنارے مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ ایک جھینپی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تھی۔

"ان کو کیا ہو گیا ہے؟" تانیا نے ایمبولنس والے سے دریافت کیا۔

"جہاز پر بیمار پڑ گئے۔ ملیریا ہو گیا ہے۔" آدمی نے مختصر سا جواب دیا۔

تانیا کو اپنے ساتھ ساتھ چلتا دیکھ کر لڑکے نے اپنے ڈر پر قابو پایا اور اچھی طرح چت لیٹ کر اپنی جلتی ہوئی آنکھوں سے تانیا کو دیکھا۔

"تم رو رہی تھیں —— ؟" اس نے اچانک تانیا سے پوچھا۔ تانیا نے اپنا چہرہ گلدستے میں چھپا لیا اور یہ ظاہر کرنے لگی گویا ان بے مہک پھولوں کی مہک سونگھ رہی ہے۔ لیکن شمالی علاقے کے رہنے والے اس لڑکے کو بے خوشبو پھولوں کے متعلق بھلا

کیا معلوم ہوگا۔

"بالکل نہیں — رونے کا خیال تمہیں کیوں آیا؟" تانیا نے گلدستہ اس کے برابر میں اسٹریچر پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تو بالکل نہیں رو رہی تھی بلکہ یہ ہوا کہ ایک موٹے لڑکے نے میری آنکھوں میں تھوڑی سی ریت جھونک دی تھی۔"

اور جو شخص سب سے آخر میں بھاگتا ہوا جہاز کی سیڑھیوں سے اترا اسے سارے گھاٹ پر صرف ایک اکیلی لڑکی دکھلائی دی جو اداسی کے ساتھ پہاڑ کی ڈھلوان پر چڑھ رہی تھی۔

۵

اسکول کا پہلا خوش گوار دن تانیا کے لئے بڑا کٹھن ثابت ہوا۔ گھنٹی بجنے کے بعد وہ اسکول کے گھسے ہوئے صحن میں تنہا داخل ہوئی۔ بھاری دروازے کو دھکیل کر کھولا لیکن صحن کی طرح اندر کی گیلری بھی سنسان پڑی تھی۔ شاید وہ دیر میں آئی تھی؟

"نہیں" چوکیدار نے کہا۔ "استانیاں ابھی کلاسوں میں نہیں گئی ہیں۔ مگر جلدی کرو۔"

دوڑنے کی طاقت اب اس میں باقی نہیں تھی۔ وہ چمکدار طویل گیلری میں اس طرح چلنے لگی گویا اونچی پہاڑی پر چڑھ رہی ہو۔ دیواروں پر چھوٹے بڑے پوسٹر لگے تھے اور بڑے بڑے دریچوں میں سے چھنتی ہوئی دھوپ نے ان کے الفاظ کو اور روشن کر دیا تھا —

"خوش آمدید! اسکول کا نیا سال شروع ہو رہا ہے۔ محنت کرو ـــ اپنی پوری کوشش سے محنت کرو ـــ!"

تیلی پتلی چوٹیوں والی ایک ننھّی سی لڑکی اچھلتی کودتی پاس سے گزری اور جاتے جاتے اپنی زبان نکال کر تانیا کو چڑایا ـــ

"میں ہوں ـــ تم ہو ـــ وہ ہے ـــ" وہ جرمنی میں چلائی۔ اس لڑکی کی ٹانگیں کتنی پھرتیلی تھیں! جیسے وہ ہی پرانی تانیا تھی ـــ ننھّی تانیا جو زبان نکال کر خود اپنے آپ، کو چڑا رہی تھی۔

بچی گیلری کے موڑ پہ غائب ہو گئی۔ اور تانیا اپنی نئی کلاس کے دروازے پر رک گئی۔

دروازہ بند تھا اور اندر سے آوازوں کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ یہ شور دریا کی روانی اور درختوں کی سرسراہٹ کی طرح آرام دہ تھا۔ ان آوازوں سے تانیا کو ہمیشہ محبت رہی اور اس وقت تانیا کے منتشر خیالات کو جمع کرنے میں ان آوازوں نے اس کی بڑی مدد کی۔

گویا جھگڑے کے بعد اپنے آپ سے صلح کرتی ہو، تانیا نے خود سے کہا ـــ "اونہ ـــ ٹھیک ہے بھول بھی جاؤ اس قصّے کو ـــ" اور دروازہ زور سے کھول دیا۔

اس کے داخل ہوتے ہی کلاس میں ایک شور اٹھا۔ وہ خوشی سے مسکرائی۔ اسے لگا جیسے وہ کہرے میں سے نکل کر آئی ہو اور سردی نے اس کی نظریں عارضی طور پر دھندلا دی ہوں۔ کمرے کی چیزیں اور ساتھیوں کے چہرے اسے صاف نہیں سجھائی دے رہے تھے۔ مسکراہٹیں اور وہ الفاظ جو ابھی کہے نہیں گئے یقیناً پر خلوص اور دوستانہ

نوعیت کے ہوں گے۔

" ادھر آؤ تانیا۔ ہمارے ساتھ بیٹھو تانیا " اس کے ہم جماعت چلائے۔

اور فلکا اپنے ڈسک پر ہاتھوں کے بل اُلٹا کھڑا ہوگیا۔ اور گوکوئی اور اس کرتب میں اس جیسا استاد نہیں تھا مگر اس کے باوجود فلکا بہت رنجیدہ معلوم ہو رہا تھا۔

تانیا مسکراتی رہی اور زینیا کے پاس بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔ فلکا اس پیچھے والے ڈیسک پر بیٹھا ہی تھا کہ روسی پڑھانے والی استانی الگزنڈرا ایوانودا داخل ہوئیں۔

وہ ڈائیس تک گئیں پھر فوراً نیچے اتر کر اپنے آپ سے بولیں۔

" اگر ہمارے روغنی لکڑی کے چبوترے ایک انسان کو دوسروں سے بلند کر سکتے ہیں تو یہ ہماری دنیا خاصی ناکارہ ہے "

ڈائیس کا چکر لگا کر وہ طالب علموں کے قریب گئیں۔ تاکہ خود ان کی اور ان کے شاگردوں کی ذاتی کمزوریوں کے درمیان کوئی دیوار یا فاصلہ نہ رہے۔

استانی جوان تھیں۔ ان کا رنگ گلابی تھا اور ان کی شفاف اور پرسکون نظریں کلاس کے سب سے شیطان لڑکوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے مجبور کر دیتی تھیں۔ ان کے سیاہ لباس پر یورال کا ایک ننھا سا قیمتی پتھر جگمگا رہا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ بچے استانی کی نوعمری کو ان کی ناتجربہ کاری پر محمول کرنے کی غلطی کبھی نہ کرتے تھے۔ ناتجربہ کار استانیوں کا مذاق اڑانے کے لئے تو وہ ہمیشہ تیار رہتے تھے مگر الگزنڈرا ایوانودا کی انھوں نے آج تک ہنسی نہ اڑائی تھی۔

"بچو ۔۔۔۔ !" اپنی گہری آواز میں انھوں نے کہا ۔۔۔۔
ان کی آواز بھی ان کی نگاہوں کی طرح دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھی۔
"بچو ۔۔۔۔ ! ہم سب کے لئے آج کا دن بہت اہم ہے کیونکہ آج اسکول کا نیا سال شروع ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں کئی سال سے برابر تمہاری اتالیق رہی ہوں اور آج پھر ہم سب اکٹھے ہیں۔ ان برسوں میں تم سب بڑے ہو گئے ہو اور میری عمر بھی بڑھ گئی ہے۔ لیکن ہم نے ہمیشہ اپنی پوری کوشش کے ساتھ محنت کی ہے اور"
اسکول کے نئے سال کے آغاز پر جو کچھ ہمیشہ کہا جاتا ہے وہ کہتی رہیں۔ کہ اتنے میں وہ نئے لڑکے کلاس میں داخل ہوئے ۔
یہ دونوں وہی لڑکے تھے جنھیں اس روز تانیا نے گھاٹ پر دیکھا تھا۔ ایک سینک سلائی لم ڈھینگ اور دوسرا گول مٹول بطنی جو اپنے گول گپے گالوں کے ساتھ خاصا چار سو بیس بھی معلوم ہو رہا تھا۔
کلاس نے نوواردوں کو دھیان سے دیکھا مگر ان چالیس لڑکے اور لڑکیوں میں سے کسی ایک پر تانیا جیسا اثر نہ ہوا ۔۔۔۔ اب تانیا کو معلوم ہو گا کہ ان دونوں میں سے کون سا لڑکا تھا جس نے اسے ایسا دکھی کیا تھا کہ وہ دکھ خوف کے جذبے سے زیادہ بھیانک تھا۔ ان میں سے ایک لڑکا یقیناً کونیا ہو گا۔
الگزنڈرا ایوانووا نے ان کے نام دریافت کئے۔ "گوڈیلو گوڈیلووسکی" موٹے نے کہا۔
"بورش ۔۔۔" ڈبلے نے کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ "وہ لوگ" واقعی آئے ہی نہیں۔ اطمینان کا سانس لے کر تانیا نے سوچا۔ ہٹاؤ مارو گولی اس قصّے کو۔

جب نئے پنچھیوں نے اپنے عجیب و غریب نام بتائے تو کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی۔ اور یہ "شروعات" بالکل اچھی نہیں تھی لیکن انگہ نڈرا ایوانووا بولیں۔

"چلو پڑھائی شروع کرو بچو ــــ امید ہے چھٹیوں میں تم لوگ سب پچھلا پڑھا لکھا بھول نہ بیٹھے ہو گے"

فلکا نے زور سے آہ بھری۔

استانی نے ایک لمحے کے لئے اس کو گھورا مگر ان کی نگاہ میں سختی نہ تھی۔ اس وقت وہ نرمی برت سکتی تھیں۔ آج بچّوں کا دن تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ وہ سب بشاش رہیں۔

"یہ آہ کیوں بھری بھئی فلکا تم نے؟" انھوں نے پوچھا۔

فلکا بنچ سے اٹھا "آج میں منہ اندھیرے جاگ پڑا تا کہ ایک دوست کو خط لکھوں مگر میں اس جملے میں کہ "سویرے سویرے کدھر کا رخ ہے دوست؟" صحیح اوقاف نہیں لگا سکا۔

"بڑا افسوس ہے کہ تم گرامر بھول رہے ہو" الگہ نڈرا ایوانووا نے تانیا پر ایک سوالیہ نظر ڈال کر کہا۔ لیکن تانیا نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ یہ سوچ کر شاید تانیا جواب نہیں دینا چاہتی انھوں نے کہا۔

"تانیا سابانیوا۔ امید ہے تم اس طرح کے جملے میں اوقاف لگانا نہیں بھولی ہو گی۔ مہربانی سے اس کا قاعدہ بتاؤ"

یہ سب کیا چکر ہے تانیا نے سوچا۔ فلکا کا اشارہ میری طرف تھا۔ سب لوگ اتنے بے رحم کیوں ہیں؟ فلکا تک مجھے کیوں وہ باتیں یاد دلانا چاہتا ہے جنھیں میں بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ پھر اس نے جواب دیا:۔

" ایسا جملہ جس میں کسی کو مخاطب کیا گیا ہو اس میں ایک کاما اور ایک استعجابی نشان (!) درکار ہے "

" دیکھا ــــ؟" الگزنڈر ایوانودا نے فلکا سے کہا ــــ تانیا کو قاعدہ اچھی طرح یاد ہے۔ مہربانی سے بلیک بورڈ پر اس کی ایک مثال لکھو ــــ"

فلکا نے بلیک بورڈ کے سامنے جا کر چاک کا ٹکڑا اٹھایا۔ تانیا ہاتھوں سے چہرہ چھپائے بیٹھی رہی۔ لیکن فلکا جانتا تھا کہ وہ غمگین ہے اور بے تابی سے سوچ رہا تھا کہ کاش اس کے اس چھوٹے سے مذاق ہی نے اسے رنجیدہ نہ کیا ہو۔

تانیا کو ہوا کیا ہے آخر ــــ؟ فلکا نے سوچا اور بلیک بورڈ پر لکھ دیا ــــ

"مسکرا دو، دوست!"

استانی نے عاجز آکر اپنے ہاتھ اٹھائے "فلکا ــ فلکا ــ تم سب بھول گئے۔ سب کچھ ــــ اگر دوست، کی جگہ بھی ٹھیک نہیں کر سکتے تو صحیح جگہ پر کاما لگانے کا کیا فائدہ؟"

" مگر دوست تو فعل ہے نا ــــ" فلکا نے بڑے اطمینان سے کہا۔

" فعل ــــ! حد ہو گئی ــــ" استانی کے منہ سے نکلا۔ فعل کیوں ہے؟"

" بس مجھے لگتا ایسا ہی ہے " فلکا اپنی کٹھ حجتی پر قائم رہا " دوست ــــ کیا کر رہے ہو دوست ــــ دیکھئے ــــ اس میں عمل موجود ہے"

اس بات پر جو قہقہہ لگا تو تانیا نے سر اٹھایا اور جب فلکا نے اسے دیکھا تو وہ بھی ہنس رہی تھی۔ سب سے زیادہ زور سے ہنس رہی تھی ــــ اپنے مخصوص پیارے انداز میں ــــ فلکا نے خوش ہوکر انگلیوں پر سے چاک صاف کیا۔ دیوار کے سہارے کھڑی استانی نے اسے حیرت سے دیکھا۔

یہ ذہین اور حاضر جواب لڑکا اتنی فاش غلطی پر اس قدر خوش کیسے ہو سکتا تھا؟ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے۔ بچے ضرور مجھ سے کوئی راز چھپا رہے ہیں۔ اور میں ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں کہ ان سب کو اتنی اچھی طرح جانتی ہوں۔!!

٦

وہ مختصر لمحے جب اماں کام سے واپس آن کر کبھی کبھار باغیچے میں کیاریوں کے پاس گھاس پر بیٹھ جاتی تھیں تانیا کے لئے بے حد قیمتی اور مبارک ہوتے تھے۔ خزاں کی گھاس چھدری اور کیاریاں اجاڑ تھیں مگر پھر بھی یہ بڑا سہانا وقت ہوتا تھا۔ تانیا اماں کے پاس لیٹ کر اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیتی اور پھر گھاس بڑی شاندار اور آسمان بے حد روشن معلوم ہونے لگتا۔ وہ دونوں دیر تک وہاں لیٹی چپ چاپ آسمان کو تکا کرتیں جہاں دریا کے اوپر، مچھلیوں کی تاک میں چیلیں بہت بلندی پر اڑتی نظر آتیں۔ چیلیں ہوا میں بالکل ساکت معلوم ہوتی تھیں اور جب کبھی کوئی ہوائی جہاز ان کے قریب سے نکلتا تبھی وہ اپنے پر ہلاتیں۔ دور جاتے ہوئے ہوائی جہازوں کی گھرگھر، جسے جنگل اپنے اندر چھپا لیتا تھا یہاں باغیچے میں بہت مدھم سی سنائی دیتی تھی۔ اچانک ختم ہو جانے والی یا آہستہ آہستہ غائب ہوتی ہوئی اس

گرنج کو دونوں ماں بیٹیاں خاموشی سے سنا کرتیں۔

لیکن آج اس مدھم آواز پر کان لگاتے ہوئے اماں نے کہا "وہ لوگ آئے نہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان کتنا لمبا فاصلہ ہے ___!"

تانیا چپ رہی۔

اماں نے کیاری کی سمت اشارہ کیا جس میں صرف چند ٹھنٹھ موجود تھے اور بولی:

"آخر یہ کیا ہوئے ___؟ تمھاری یہ کیاری کتنی خوبصورت تھی۔ وہ ندیدی پیٹو بطخ سارے پھول کھا گئی؟"

"مجھے آج صبح بھی اسے کیاری میں سے نکالنا پڑا تھا" تانیا نے ہلے جلے بغیر جواب دیا

دلدل کی سوسن ماسکو میں نہیں اگتی۔ اور تمھارے ابا کو یہ پھول بے حد پسند ہیں۔ میرا خیال تھا کہ ان کا گلدستہ تم ان کو پیش کر سکوگی۔" تانیا چپ رہی تو ماں نے پھر کہا۔ "وہ بہت مہربان نرم دل انسان ہیں۔"

تانیا یکایک اٹھی مگر پھر لیٹ گئی اور ماں کی گود میں سر رکھ دیا۔ "تم کیا کہنے والی تھیں؟" اماں نے پوچھا۔

"اگر وہ اتنے مہربان آدمی ہیں تو انھوں نے ہم لوگوں کو کیوں چھوڑ دیا؟"

ماں اس طرح لرزیں جیسے ان کی کہنی کسی نوکیلے پتھر سے اتفاقیہ ٹکرا گئی ہو اپنے الفاظ کی بے رحمی کا احساس کر کے تانیا فوراً اٹھ بیٹھی اور ماں کے فراک، چہرے اور ہاتھوں کو چومنے لگی۔

وہ دونوں اب تک اپنے ننھے سے پائیں باغ کی چھدری گھاس پر کھلے آسمان کے نیچے کتنی خوش خوش لیٹی تھیں۔ تانیا ایسے باپ سے بھلا کس طرح محبت کر سکتی تھی جس کا نام لیتے ہی ان کی خوشی اور سکون کے ٹکڑے اڑ گئے۔

"اماں میں وعدہ کرتی ہوں پھر ایسی بات کبھی نہ کہوں گی ــــ اچھا ہوا وہ لوگ نہیں آئے۔ ہم دونوں ان کے بغیر ہی بہت خوش ہیں۔ ہیں نا؟ اور پھولوں کی فکر نہ کرو۔ میں نئے پودے لگا دوں گی۔ مجھے جنگل میں ایک دلدل کا پتہ ہے جہاں ڈھیروں سوسن آ گئی ہے۔ میں بیج بھی لاؤں گی۔ پھر ہمارا باغ بہت اچھا لگے گا ــــ" وہ اسی طرح انٹ شنٹ بولتی گئی اور پھاٹک کی کنڈی کھڑکنے کی آواز اور اماں کا یہ کہنا کہ "جاؤ پھاٹک کھولو" بھی نہ سنا۔

"جاؤ تانیا ــــ" ماں نے تیسری بار کہا۔ "کوئی اندر آنا چاہ رہا ہے۔ شاید ہسپتال سے بلاوا آیا ہے ــــ"

تانیا نے بھی جنگلے کے باہر قدموں کی آہٹ سنی اور آخر کار پھاٹک کھولنے کے لئے گئی۔ اسے مریضوں تک کے لئے بھی پھاٹک کھولنا بہت کھلتا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر پکارا ــــ "کون ہے؟ کیا چاہیئے ــــ ڈاکٹر صاحب کو بلانا ہے؟ ــ مریض ہیں آپ؟"

لیکن ایک لمبا صحت مند اور شاندار آدمی کرنل کا اوور کوٹ اور فل بوٹ پہنے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے بڑی بشاش مسکراہٹ کے ساتھ تانیا کو دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

کمال ہے بھئی ــ یہ کون سا طریقہ ہے بھلا۔ تانیا نے سوچا۔ اچانک پیچھے سے اسے

اپنی ماں کی ایک کمزور سی کراہ سنائی دی - وہ آنکھیں آدھی بند کر کے چند قدم پیچھے ہٹ گئی ــــ !!

آدمی زمین پر پڑے ایک تختے کو پھاند کر ذرا سا آگے بڑھا۔ گویا ابھی جھک کر اماں کو پیار کرنے والا ہو لیکن اماں پیچھے ہٹ گئیں اور مصافحے کے لئے محض ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ بڑی عاجزی سے اس نے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ دوسرے ہاتھ سے ماں نے تانیا کی طرف اشارہ کیا۔ اتنی تیزی سے کہ اس کی چمڑے کی پیٹی چرچرا اٹھی' وہ شخص اپنے بڑے بڑے ہاتھ پھیلا کر تانیا کی طرف بڑھا۔ تانیا پیلی پڑ گئی تھی اور سہمی ہوئی سی نظر آرہی تھی۔ اسے گلے سے لگا کر آدمی نے اس کے ماتھے پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس شخص کے کپڑوں اور موزوں سے مہک آرہی تھی۔

"تم کتنی بڑی ہو گئیں ـــــ مجھے تو تمھارے لئے پھول لانا چاہیئے تھے۔ مگر میں مٹھائی لایا ہوں ـــ"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر مٹھائی کا ڈبہ نکالنا چاہا۔ مگر ڈبا بڑا تھا اور جیب کے استر میں اٹک گیا۔ بڑی کھینچ تان کر کے اس نے ڈبہ جیب سے نکالا۔ اس کوشش میں اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور آہستہ سے کچھ بڑبڑایا۔ تانیا اور زیادہ پیلی پڑتی گئی - اور آدمی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جو بچوں کی طرح پسینے میں شرابور تھا، وہ سوچنے لگی کہ جانے یہ شخص نرم دل ہے بھی یا نہیں۔

آخر کار کسی نہ کسی طرح اس نے ڈبہ جیب سے نکال ہی لیا اور تانیا کو پیش کیا۔ تانیا نے ڈبہ لے لیا مگر سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا کیا کرے، چنانچہ اس نے اسے پانی کے پیپے کے برابر ایک پرانی سلیج پر رکھ دیا۔ اس کے بعد جو خاموشی چھائی اس میں ڈبے پر ٹپکتے

پانی کے قطرے بادل اور بجلی کے طوفان کی طرح گرجتے معلوم ہوئے پھر ٹائیگر اور اس کے ساتھ مع اپنی آل اولاد کے بی قزاقنی نمودار ہوئیں اور سب کے سب ڈبے کو سونگھنے میں مصروف ہو گئے۔

تانیا کی ماں نے سر ہلایا۔ کچھ سوچتے ہوئے ایک نظر ڈبے پر ڈالی اور اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ تانیا باغ میں کھڑی رہی۔ اس کے باپ نے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر دوبارہ پیار کیا۔

اب مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ ان کی کشش ختم ہو چکی تھی اور وہ بات کرنے کے لئے آزاد تھے۔ وہ بے حد مضطرب معلوم ہوتے تھے اور زور زور سے بول رہے تھے اور ان کی مسکراہٹ بڑی جذباتی اور بے چین سی تھی۔

"بڑا افسوس ہوا کہ تم گھاٹ پر نہیں تھیں۔ نادیا اور میں تمھارے منتظر تھے۔ کولیا کو ملیریا ہو گیا تھا اس لئے ہمیں ایمبولنس کا انتظام کرنا پڑا۔ اور کیا تمھیں یقین نہیں آئے گا کہ گھاٹ پر کسی لڑکی نے کولیا کو دلدلی سوسن کا ایک گلدستہ پیش کیا! مدتوں سے یہ پھول میں نے نہیں دیکھے تھے۔ لڑکی نے گلدستہ اسٹریچر پر رکھ دیا۔ کولیا کا خیال تھا کہ شاید تم ہی وہ لڑکی ثابت ہو۔ مگر تم وہاں تھیں ہی نہیں۔

تانیا نے اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھ لیا اور زور سے دبایا۔ تاکہ اپنے چہرہ کو سرخ ہونے سے روک سکے۔ وہ ذرا پیچھے کو ہٹی۔

"کیا بات ہے تانیا؟" اس کے باپ نے دریافت کیا۔

"ابا اتنے زور سے مت بولیے میں آپ کی آواز اچھی طرح سن سکتی ہوں۔" تانیا نے کہا۔

اب جو باغ پر اچانک سناٹا چھایا اس نے تانیا کو پوری طرح جکڑ لیا۔ اس کا باپ فوراً خاموش ہو گیا اور اس کے تمتمائے چہرے پر سختی چھا گئی۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں وہی پہلی والی نرمی جھلک رہی تھی۔ وہ کھنکارا اور کھانسی کی یہ آواز تانیا کو بڑی عجیب اور مانوس سی معلوم ہوئی۔ وہ بھی بڑے زور زور سے اسی طرح کھانسنے لگی۔ جب اداسی سرد ہوا کے جھونکے کی طرح اسے دکھ پہنچاتی تو اسے اسی طرح کی شدید کھانسی اٹھتی تھی۔

اس کے باپ نے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھا اور اس کے کندھوں کو سختی سے دبایا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو تانیا۔ لیکن اب ہم لوگوں میں دوستی ہو جائے گی ــــ ہے نا؟ تانیا ــــ؟"

"آپ چائے پیجیے گا ــــ؟" تانیا نے بڑی تمیز سے جواب دیا۔

"آہا ــ میری بیٹی بہت نرم دل ہے ــــ" باپ نے آہستہ سے کہا اور پھر اس کے کندھے دبائے۔

تانیا شکایت کے اس انداز کو سمجھ گئی اور رسان سے کہا۔

"اندر چل کر چاء پیجیے ابا ــــ" اور اس کی آنکھیں گرم گرم آنسوؤں سے جلنے لگیں۔ پھر اس نے کہا "میں آپ سے ابھی واقف نہیں ہوں ابا۔"

باپ نے اس کے کندھے سے اپنا ہاتھ ہٹا کر اس کے گال پر پھیرا۔ "ٹھیک کہتی ہو۔" اس نے بے حد دھیمی آواز میں جواب دیا "پندرہ سال کی عمر میں ان باتوں سے بڑا دکھ ہوتا ہے بیٹی ۔ بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم لوگوں میں

دوستی ہو جائے گی بیٹی ـــــ چلو چل کر چار پٹیں ۔"

اور زندگی میں پہلی بار، ایک آدمی کے، تانیا کے باپ کے بھاری قدم تانیا کی برساتی کے چوبی فرش پر گونجے ۔

۷

جب تانیا سے اس کے اسکول کے ساتھیوں نے پوچھا کہ کلاس کا نیا لڑکا کولیا سابینیو کیا اس کا رشتے دار ہے تو اس نے کسی کو "ہاں" اور کسی کو نہیں کہہ کر ٹال دیا اور چونکہ کسی کو اس بات کی کوئی خاص کرید بھی نہیں تھی اس لئے چند روز بعد کولیا کے متعلق تانیا سے یہ سوالات بھی ختم ہو گئے ۔ اور فلکا نے جو مارو سیکا نامی ملک تلاش کرنے کے لئے اتنا پریشان ہوا تھا، تانیا سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہ سمجھا ۔

لیکن وہ تانیا کے پیچھے ہی بیٹھتا تھا اور تانیا کے سر کا جی بھر کر مطالعہ کر سکتا تھا ۔ ایک انسان کی گدّی کو دیکھ کر ہی کافی اندازے لگائے جا سکتے ہیں ۔ کھوپڑی اس چٹان کی طرح سخت اور سرد بھی ہو سکتی ہے جس پر فلکا جنگل میں آگ سلگایا کرتا تھا اور گھاس کی اکیلی پتّی کی طرح نرم و نازک بھی ہو سکتی ہے ۔

تانیا کے سر کا پچھلا حصّہ ان دونوں میں سے کسی ایک طرح کا ضرور تھا ۔ لیکن اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا تھا کہ تانیا کو اس بات کی قطعی فکر نہیں ہے کہ اس کے پیچھے فلکا اور کولیا کے ڈیسک پر کیا ہو رہا ہے ۔

ان دونوں میں سے تانیا کی جانی بوجھی یا انجانی توہین کا نشانہ کون تھا؟

چونکہ فلکا ہمیشہ حالات کا روشن رخ دیکھنے کا عادی تھا اس لئے اس نے طے کیا کہ

یہ توہین اس کے لئے نہیں تھی۔ اور اسے یہ بھی ماننا پڑا تھا کہ کولیا کو مغرور سمجھنا تانیا کی بے انصافی ہے۔ کولیا ذرا کمزور سا لڑکا تھا۔ اس کے ہاتھ پتلے پتلے تھے چہرہ زرد رہتا تھا مگر وہ بد دماغ ہرگز نہیں تھا۔

جب فلکا نے اس کو "جہنمی گندھگ" دکھائی جو وہ سب اسکول میں چبایا کرتے تھے تو کولیا نے اس نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا شے ہے۔

"صنوبر کی رال ہے" فلکا نے سمجھایا۔ "نکڑ پر وہ چینی جو گوند والی مٹھائی بیچتا ہے اس سے پچاس کوپک میں خرید سکتے ہو۔"

"گوند والی مٹھائی، کیا ہوتی ہے؟"

"ارے یار — تم تو سب کچھ ایک ہی دفعہ میں معلوم کر لینا چاہتے ہو" فلکا نے کہا

مگر کولیا نے اس کی اس جھنجھلاہٹ کا کچھ برا نہ مانا

"اچھا یار ٹھیک ہے مگر تم سب ہو بڑے بے تکے۔ بھلا کوئی صنوبر کی رال بھی کھاتا ہے میں نے تو آج تک نہیں دیکھا۔"

لیکن اس کے باوجود وہ ڈھیر ساری رال خرید لایا اور خود بھی دوسروں کی طرح زور زور سے چباتا پھرا۔ کچھ رال اس نے فلکا اور تانیا کو بھی پیش کی — تانیا کو اپنے دل میں یہ مان لینا پڑا کہ لڑکا بہت فراغ دل ہے وہ کوشش کر کے مسکرائی بھی اس کے برف جیسے دانت جھلملا اٹھے۔

"یہ اسی کمبخت رال کی وجہ سے تم سب کے دانت اتنے سفید ہیں۔ شاید یہ رال دانتوں کو اچھی طرح صاف کر دیتی ہے۔ خوب چیز ہے!"

لیکن کولیا کی اس بات پر تانیا نے کچھ بیزاری کا سا اظہار کیا۔

"اچھا میرا پیچھا چھوڑو اب" اس نے کہا۔

لیکن کولیا تانیا کی اس بد اخلاقی پر بھی ناراض نہیں ہوا۔ اور اس کی برف جیسی شفاف آنکھوں میں تانیا کو ضد کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آئی

"خوب چیز ہے۔ میرا مطلب ہے۔ مال" فلکا نے سکون سے دہرایا۔

بعد میں تانیا یہ طے نہیں کر پائی تھی کہ یہ سچ مچ کا جھگڑا تھا یا نہیں مگر ان کی آپس کی دشمنی کا آغاز اسی وقت سے ہوا۔ اور تب سے یہ بیمار سا لڑکا تانیا کے خیالوں میں اکثر آن موجود ہوتا۔

ہر اتوار کو تانیا اپنے باپ کے گھر پر کھانا کھاتی۔ اپنے مکان کے پچھواڑے والے جنگل سے گزر کر وہ قلعہ کو جانے والی سڑک پر نکل آتی۔ یہ سڑک دریا کے کنارے کنارے اس طرح بل کھاتی ہوئی جاتی تھی گویا پہاڑوں کو ایک طرف دھکیل کر دریا کی ایک جھلک دیکھنا چاہتی ہو۔

تانیا بھی دریا کو دیکھتی ہوئی آہستہ آہستہ چلتی تھی۔ خاموش دنوں میں اسے ساحل سے پھسل پھسل کر مٹی کے تودوں کے پانی میں گرنے کی آواز بھی سنائی دے جاتی تھی۔ ٹائیگر بھی چوکنا ہو جاتا۔ وہ تانیا کے ساتھ ہر جگہ جاتا تھا۔

آدھ گھنٹے میں دونوں ابا کے گھر پہنچ جاتے۔ یہ اس محلے کا سب سے آخری مکان تھا۔ اس کی پگڈنڈیوں پر چونے سے لپی ہوئی کنکریاں بکھری ہوئی تھیں۔ لیکن سفید نوک والی گھاس چونے کی کنکریوں کے نیچے سے بھی اُگ آئی تھی، یہ گھر بڑا خاموش سا تھا اور اس کا شیشے کا صدر دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ اندر جاتے وقت تانیا ٹائیگر

کو دروازے ہی پر چھوڑ دیتی۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ کاش ٹائیگر کے بجائے وہ خود ہی دروازے کے باہر رہ جاتی۔

حالانکہ اس گھر والے اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے اور نادیا تو دروازے ہی سے اس کا استقبال کرتی تھی۔ نادیا ایک خاموش طبیعت، خوش شکل سیدھی سادی عورت تھی۔ وہ تانیا کے کندھے پر تھپکی دے کر یا اس کے سر کو چوم کر ہمیشہ ایک ہی جملہ دہراتی: "اے لو ـــ تانیا آگئی!" گو نادیا اس کو ہمیشہ بڑے نرم اور مہربان انداز میں مخاطب کرتی تھی۔ پر نجانے کیوں تانیا کا دل اکھڑا اکھڑا سا رہتا۔ وہ نادیا پر بھروسہ نہ کر پاتی ـــ یہ مجھے پیار کرتے وقت ہمیشہ ابا کو کیوں دیکھتی ہیں؟ جیسے ابا سے کہتی ہوں۔ دیکھو میں تمھاری بیٹی سے کتنا اچھا سلوک کرتی ہوں۔ اب تم یا تمھاری بیٹی مجھ سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے۔

محض یہ سوچ کر ہی تانیا کی زبان تالو سے چپک جاتی۔ اس کی آنکھیں اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیتیں اور وہ کوشش کے باوجود اپنے باپ سے نظریں نہ ملا سکتی۔

ابا کے قریب پہنچ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد ہی اس کی ہمّت بندھتی تھی اور اس کے بعد ہی وہ کولیا کو "ہلو" کہہ پاتی تھی۔

"ہلو، تانیا!" تانیا کے پہل کرنے کے بعد کولیا بڑے اخلاق سے جواب دیتا۔ وہ خود کبھی پہل نہیں کرتا تھا۔

باپ خاموش رہتا۔ تانیا کے گالوں پر ہلکا سا ہاتھ لگا کر اسے جلدی سے کھانے کی میز پر لے جاتا۔ کھانے پر بڑی چہل پہل رہتی مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے شکاریوں سے خریدے ہوئے ہرن کے گوشت کے بہترین ٹکڑے خود اٹھا لینے پر کولیا

پر سب ہنستے اور پورا کا پورا آلو منہ میں ٹھونس لینے پر اسے ڈانٹ بھی پڑتی۔ اکثر تانیا کا باپ کولیا کی ناک پر ٹمکا لگا دیتا۔ اور وہ ذرا سی سوج جاتی۔

"ابّا ۔۔ اب میں ننھا بچہ نہیں ہوں۔ مجھ سے اب اس طرح کی بے وقوفی کی باتیں کرنا چھوڑ دیجئے" کولیا بھویں سکیڑ کر کہتا۔

"ٹھیک ہے۔ تم ننھے بچے نہیں ہو مگر سخت نالائق بنتے جا رہے ہو۔ تم لوگ اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ اب کوئی اور کس طرح تم لوگوں سے نپٹے۔ خیر دیکھتے ہیں کہ اب تم شاہ دانوں کے سموسوں کے موقعے پر کیا کرو گے"

یہ کہہ کر ابّا تانیا کو آنکھ مارتے اور تانیا دل میں سوچتی ۔۔۔

"شاہ دانوں کے سموسوں سے کیا ہوتا ہے ۔۔۔ ابا میں جانتی ہوں کہ مجھ سے اتنی محبت کبھی نہیں کریں گے جتنی محبت انھیں اس کولیا کے بچے سے ہے ۔۔۔ مجھے نالائق کہہ کر میری ناک پر گھونسہ نہیں لگائیں گے۔ میرے سامنے سے گوشت کی پلیٹ نہیں چھینیں گے۔ نہ میں کبھی ان سے یہ کہوں گی ابا بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ کیا یہ لوگ مجھے شاہ دانوں کے سموسوں کی رشوت دے رہے ہیں؟

رفتہ رفتہ وہ دل گرفتہ سی ہو جاتی۔ اس کے دل کا پرانا درد پھر عود کر آتا اور باوجود اس کے کہ یہ لوگ تانیا سے بہت قریب اور اپنائیت برتتے تھے اور مکان میں گونجتی ہوئی نادیا کی آواز، اس کا نازک سا جسم، اور مہربان چہرہ، تانیا کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں کی نرمی، ابا کا لمبا چوڑا ڈیل، صوفے پر پڑی ہوئی ان کی چمڑے کی پیٹی، بلیرڈ کی میز جس پر وہ سب مل کر کھیلتے تھے، بورڈ کی کیلوں میں سے گزرتی لوہے کی گولی کی ٹن ٹناہٹ، ان سب کے باوجود تانیا کا پرانا درد اس

کے دل میں لوٹ آتا۔ یوں تو وہ کولیا تک کو پسند کرتی تھی۔ پسند بھی کرتی تھی اور اس سے نفرت بھی کرتی تھی۔ کولیا ہمیشہ انتہائی پر سکون نظر آتا تھا مگر ضد اور ہٹ کی ایک جھلک اس کی آنکھوں میں ہمیشہ موجود رہتی۔ اور وہ "ٹائیگر" کے لئے پلیٹ میں ہڈی چھوڑنا بھی کبھی نہ بھولتا تھا۔ لیکن تانیا کو ایسا لگتا جیسے اس کے لئے کولیا کبھی کچھ سوچتا ہی نہیں۔ حالانکہ وہ اسکول میں اکٹھے پڑھتے، ایک ساتھ کھانا کھاتے اور "بلیرڈ" کھیلتے۔ لیکن وہ دن بھر میں ایک مرتبہ بھی تانیا کا خیال دل میں لانے کی تکلیف گوارا نہ کرتا تھا۔ کاش وہ مجھ سے نفرت ہی کرے۔ جس طرح مجھے اس سے نفرت ہے۔ مگر وہ تو بس میری طرف سے بالکل لاپرواہ اور بے نیاز سا رہتا ہے۔

کولیا کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے کے باوجود پھر بھلا تانیا اس کے ساتھ مچھلی کے شکار پر جانے اور وہ جگہ دکھانے کے لئے تیار ہو گئی جہاں مچھلیاں خوب ملتی ہیں؟

۸

تانیا کو ستارے پسند تھے صبح اور شام کے ستارے۔ گرمیوں کی راتوں میں جگمگاتے بڑے بڑے ستارے اور خزاں کی راتوں کے دھندلے ٹمٹماتے ستارے۔ تاروں بھری رات میں خاموش شہر میں سے گزرنے کے بعد دریا پر پہنچ کر ستاروں سے جھلملاتے سیاہ رنگ کے ساکت پانی کو جھانکنا کتنا اچھا لگتا تھا! ندی کنارے بیٹھ کر مچھلی کے انتظار میں کانٹا ڈالنا کتنا سہانا مشغلہ تھا۔ اور یہ خیال بھی کتنا خوش گوار تھا کہ مچھلی کے شکار میں جتنا وقت صرف کرنے کی اجازت ہے اس

کا ایک منٹ بھی بے کار نہیں گیا!

پو پھٹتے ہی سورج کی کرنیں دریا پر چھائے کہرے کے آر پار نکل آئیں۔ پہلے کہرہ درختوں سے لپٹتا اور پھر دھوئیں کی لہر کی طرح دریا پر سے اٹھ جاتا۔ ایسے میں دماغ جانے کہاں کہاں کی کوڑی لاتا۔ خیال آتا گلہریاں اس وقت نہ جانے کیا کر رہی ہوں گی، پتہ نہیں چیونٹیاں رات کو سوتی بھی ہیں یا نہیں اور پچھلے پہر انھیں جاڑا لگتا ہے یا نہیں ـــ اجالا پھیلنے سے ذرا پہلے رات بے حد حسین ہوتی۔

لیکن آج جب تانیا جاگی تو آسمان پر ستاروں کا ہجوم نہ تھا۔ بہت سے ڈوب چکے تھے۔ صرف تھوڑے سے تارے افق کے پہلے کنارے پر دھندلے دھندلے جھلملا رہے تھے۔

آج کا دن مچھلی کے شکار کے لئے ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ کولیا بھی ہمارے ساتھ جانے والا ہے۔ اس نے سوچا۔

اسی وقت کسی نے اس کی کھڑکی پر دستک دی۔ اندھیرے میں کپڑے پہنتے ہوئے اس نے شال کندھوں پر پھینکی اور کھڑکی کھول کر باغ میں کود گئی۔ سامنے فلکا کھڑا تھا۔ اس کے کاندھے پر بنیان اور ہاتھ میں مچھلی کے شکار کا تھیلا تھا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں کسی پاگل کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں!

"اتنی دیر کیوں لگائی؟ کیا رات ہی کو کینچوے نہیں کھود لئے تھے؟" تانیا نے پوچھا۔

"شہر میں کینچوے آسانی سے نہیں ملتے ـــ اور ابھی دیر کہاں ہوئی۔ کافی وقت ہے۔" فلکا نے بھاری آواز میں جواب دیا۔

"ہاں کیچوے یہاں مشکل سے ملتے ہیں۔ میری بنسی لائے ہو؟"

"ہاں"

"تو پھر چلو۔ اب کا ہے کا انتظار ہے؟"

"اور کولیا؟"

"ارے ہاں — کولیا — !" اور تانیا نے اس طرح بھنویں سکیڑیں جیسے اس کے ذہن سے کولیا بالکل اڑ گیا ہو۔ جیسے اس نے جاگ کر کھڑکی سے باہر ستاروں کو دیکھتے ہوئے سب سے پہلے کولیا ہی کے متعلق نہ سوچا ہو — !

"ہم لوگ گھاٹ کے برابر والی گلی میں اس کا انتظار کرلیں گے۔" تانیا نے کہا اور ٹائیگر کو بلانے کے لئے آہستہ سے سیٹی بجائی۔ لیکن ٹائیگر برساتی کے نیچے اپنے گھروندے میں ساکت بیٹھا رہا۔ کان تک نہ ہلایا۔ اس نے تانیا کو اس طرح دیکھا گویا کہتا ہو "نہیں بی بی۔ میں تو نہیں جانے کا تمھارے ساتھ۔ گرمیوں میں مچھلی پکڑنے اور سردیوں میں اسکیٹنگ کرنے کے لئے سینکڑوں بار میں تمھارے ساتھ جا چکا ہوں۔ تمھارے اسکیٹنگ کے جوتے تک میں اپنے منہ میں اٹھا کر تمھارے ساتھ چلا ہوں۔ لیکن اب میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں بی بی اب میری عمر ایسی نہیں کہ رات برات گھومتا پھروں۔"

تانیا سمجھ گئی "اچھا۔ اگر دل نہیں چاہتا تو مت چلو"۔ اس نے کہا۔

شاید بلی ساتھ جائے۔

"اے بی قزاقنی —" اس نے پکارا۔

بلی جاگ اٹھی اور اپنے ٹبر سمیت اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

"اس بلی کا کیا کرو گی ؟" فلکا نے پوچھا۔

"فنزاقینی خوب جانتی ہے ہم ندی کنارے کیوں جا رہے ہیں"۔

اور یہ قافلہ صبح کے دھندلکے میں اس طرح داخل ہوا جیسے جادو کا جنگل ایک دم سے سامنے آجائے۔ درخت دھوئیں کے مرغولے معلوم ہو رہے تھے۔ اور مکانوں کی چمنیوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں نے عجیب عجیب پودوں اور درختوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ڈھلان کے موڑ پر پہنچ کر وہ کولیا کا انتظار کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔ مگر اس نے آنے میں بہت دیر لگا دی۔ فلکا اپنے ہاتھوں پر پھونکیں مارنے لگا کیونکہ کینچوے کھودتے وقت اس کے ہاتھ سردی سے ٹھٹھر گئے تھے۔

تانیا چپ تھی۔ مگر اس کا کانپتا ہوا چھوٹا سا جسم اور کہرے سے بھیگتے بالوں والا ننگا سر گویا زبان حال سے کہہ رہا تھا "لو دیکھ لو ـــــ ایسا ہے کولیا"۔

آخر کار کولیا اطمینان سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا آن پہنچا۔ قریب آکر اس نے ایڑیاں جوڑ کر زمین پر پٹخیں۔ بنسی کندھے سے اتاری اور بولا ـــ "بڑا افسوس ہے مجھے دیر ہو گئی۔ زینیا مجھے رات اپنے گھر لے گئی تھی۔ اس نے مجھے بہت ساری مچھلیاں دکھائیں جو اس نے ایک بڑے مرتبان میں پال رکھی ہیں۔ کمال کی مچھلیاں ہیں۔ ایک بالکل سنہری ہے اور اس کی لمبی اور سیاہ دُم بالکل لہنگا معلوم ہوتی ہے۔ بڑی عجیب مچھلی ہے مجھے دیر ہو گئی اس کا واقعی مجھے بڑا افسوس ہے"۔

"بڑا افسوس ہے۔ بڑا افسوس ہے ـــ" اس نے کولیا کی نقل اتاری۔ "کس قدر با اخلاق انسان ہیں آپ ـــ ہم لوگوں کو اتنی دیر تک خواہ مخواہ جھینکایا۔ تمھاری

ہی دیر سے دریا کی سب سے اچھی مچھلیاں ہاتھوں سے نکل گئیں"۔

"نہیں ابھی کافی وقت ہے۔ گو آسمان پر اجالا پھیل گیا ہے لیکن پانی پر ابھی کافی اندھیرا ہے اور ابھی تو تر دنا بھی نظر نہ آئے گا۔ تم اتنی خفا کیوں ہو تانیا؟" فلکا نے جو زیادہ تجربہ کار تھا دریافت کیا۔

"اس لئے خفا ہوں کہ مجھے حد سے زیادہ با اخلاق لوگوں سے نفرت ہے۔ مجھے ہمیشہ ایسا لگتا ہے۔ جیسے وہ میرے ساتھ چالاکی کر رہے ہیں"۔ تانیا نے کہا۔

"اور مجھے بلیوں سے نفرت ہے"۔ کولیا نے فلکا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ساری بلیاں۔ ہر قسم کی بلیاں۔ وہ بھی جو مچھلی پکڑنے جاتی ہیں اور وہ بھی جو مچھلی نہیں پکڑتیں۔ لیکن اس کے باوجود میں رائے قائم کرنے میں جلد بازی نہیں کرتا"۔

فلکا نے جو لڑائی جھگڑے سے دور بھاگتا تھا دونوں کو افسردگی سے دیکھا اور کہنے لگا۔

"تم لوگ ہمیشہ لڑتے کیوں رہتے ہو؟ کلاس میں بھی جھائیں جھائیں رہتی ہے اور اب یہاں بھی کھڑے جھگڑ رہے ہو۔ میری بات سنو! جو شخص شکار سے پہلے ہی ٹنٹا شروع کر دے اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گھر ہی بیٹھے۔ میرے ابا کا یہی قول ہے۔ اور ابا ان باتوں کو زیادہ جانتے ہیں"۔

کولیا نے کندھے اچکائے اور بولا۔

"میں تو تانیا سے تکرار کرنا چاہتا ہی نہیں۔ یہی ہمیشہ بے بات مجھ سے الجھتی ہے۔ اور ابا کہتے ہیں کہ ہم دونوں میں دوستی رہنی چاہیئے"۔

"ابا کے کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے"۔ تانیا نے کہا۔ تانیا کی یہ بات سن کر فلکا کو سخت

رنج پہنچا۔ اس نے بڑی غمگین نظروں سے تانیا کو دیکھا۔ کولیا کو بھی تانیا کا لب و لہجہ ناگوار گزرا مگر اس نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔

میرے ابّا تجربہ کار شکاری ہیں۔ وہ زیادہ بولنے، بات کرنے کے عادی نہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں" فلکا نے کہا۔

"دیکھو تمھارا وفادار سانچو پانزا[1] تک تم سے اختلاف کر رہا ہے" کولیا نے تانیا سے کہا۔

تم فلکا کو سانچو پانزا کیوں بنائے دے رہو۔ شاید اس لئے کہ تم نے لے دے کے صرف ایک کتاب "ڈون کوٹکزوٹے" ہی پڑھی ہے"۔ تانیا نے طنز سے کہا۔

"نہیں۔ یہ ناول تو میں نے عرصہ ہوا جب پڑھی تھی۔ میں نے فلکا کو سانچو پانزا اس لئے کہا کہ یہ بے چارہ ہمیشہ تمھاری بنسی اٹھائے رہتا ہے۔ تمھارے لئے کھود کھود کر کینچوے لاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ"۔ کولیا نے سکون سے جواب دیا۔

" فلکا یہ سب میرے لئے اس وجہ سے کرتا ہے کیونکہ وہ تم سے ہزار درجے بہتر انسان ہے"۔ تانیا نے شرم سے سرخ ہو کر جواب دیا۔" فلکا اسے کینچوئے بالکل مت دینا"

حد ہو گئی۔ یہ لوگ میرے متعلق اس طرح باتیں کر رہے ہیں جیسے میرا انتقال ہو چکا ہے۔ فلکا نے دل میں کہا۔

---

[1] ایک مشہور ہسپانوی ناول "ڈون کوٹکزوٹے" کا مسخرا کردار جو ہیرو ڈون کوٹکزوٹے کا وفادار نوکر تھا۔

کولیا نے پھر کندھے اچکائے۔ اور بولا ـــــ

"پرواہ نہیں۔ میں ساحل پر خود کھود لوں گا کینچوے اور مچھلیوں کی اچھی جگہ بھی ڈھونڈلوں گا۔ مجھے نہیں چاہئیں تمہارے سڑے ہوئے، ردی کینچوے۔"

وہ ڈھلان پر سے بھاگتا ہوا چٹانوں اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا اور اس کے قدموں کی آواز سڑک پر گونجتی رہ گئی۔

اس کے جانے کے بعد تانیا دیر تک کھڑی سڑک کو تکتی رہی۔ دریا پر سے اٹھتے ہوئے سفید دودھ جیسے کہرے نے گھاس، ریت اور پتوں کو اپنے میں چھپا لیا۔ تانیا کا دل بھی جیسے اس کہرے میں ڈوب گیا ہو۔

گم سم اور غمگین فلکا تانیا کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔ آخر اس نے صاف گوئی کا فیصلہ کر لیا اور بولا ـــــ

"تمہیں ہو کیا گیا ہے تانیا؟ جب نہ تب کولیا سے لڑا کرتی ہو۔ وہ ڈیسک پر میرے برابر بیٹھتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس لڑکے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ وہ کلاس کا بہترین طالب علم ہے۔ تم سے بھی زیادہ ہوشیار ہے، مگر رتی بھر بدماغی اس میں نہیں۔ جرمنی استاد سے جرمنی میں بات کرتے میں نے اسے خود سنا ہے اور فرانسیسی بھی بول سکتا ہے۔ مگر کبھی ان زبانوں میں اپنی مہارت کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ نہ کبھی ڈون کی لی۔ آخر تم اس سے جھگڑتی کیوں ہو؟"

تانیا چپ رہی اور دھندلکے میں سوئے ہوئے دریا کی طرف اتر گئی۔ قزاقنی اور اس کے بچے اس کے پیچھے پیچھے دوڑے۔ فلکا بھی ڈھلان سے اترا اور سوچنے لگا کہ کولیا بھی کیا عجیب لڑکا ہے۔ ہزاروں لاکھوں بلیاں مچھلی کے شکار پر جا سکتی ہیں مگر

ایک بلی تانیا کے ساتھ گئی تو کون سی برائی ہو گئی کم از کم مجھے تو کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ اور یہ تانیا بھی عجیب ہے۔ جب کولیا نے مجھے سانچو یا شاید پانزا کہا تو وہ تلملا گئی بس نے سانچو اور پانزا کی برائی کسی سے نہیں سنی اور چلو مجھے کسی بھی نام سے پکارلو کوئی حرج نہیں ــــ

جب وہ لوگ مختصر سے گھاٹ پر پہنچے جہاں مچھیروں کی کشتیاں بندھی تھیں۔ تو انھیں کولیا عین اس جگہ پر بیٹھا نظر آیا جو مچھلیاں پکڑنے کی بہترین جگہ تھی۔ اس نے یہ جگہ ڈھونڈ ہی نکالی ۔فلکا نے دل میں بے حد خوش ہو کر سوچا۔

وہ کولیا کے قریب پہنچا اور یہ دیکھ کر کہ اس کے برتن میں صرف مٹھی بھر مٹی ہی پڑی ہے اس نے تانیا کی نظریں بچا کر چند کینچوے برتن میں ٹپکا دیئے۔

" تانیا نے یہ منظر دیکھ تو لیا مگر بولی کچھ نہیں۔ وہ ہنسی اور کینچوے اٹھا کر کولیا کے نزدیک بیٹھ گئی ، فلکا نے آگے بڑھ کر اپنے لئے ایک اور بہت اچھی جگہ تلاش کرلی۔ وہ مچھلی کا شکار تنہائی میں کھیلنا پسند کرتا تھا۔

ایک دو منٹ تک تینوں بچوں اور بلّی کے خاندان پر دریا کے منظر نے جیسے جادو سا کر دیا۔ پانی کی گہرائیوں میں کوئی عجیب سی بات ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کہرہ جسے ان دیکھے ہاتھوں نے رات بھر وہاں قید کر رکھا ہوا اب آزاد ہو کر اپنی لمبی لمبی ٹانگیں گھسیٹتا دریا پر دوڑ رہا ہو۔ فضا کی بلندی پر پہنچ کر جھو متا بل کھاتا اور اوپر کو اٹھتا یہ کہرہ اب جیسے سورج کا پیچھا کرنے میں مشغول تھا۔ جیوں جیوں کہرہ ہلکا پڑتا گیا دریا بھی روشن ہونے لگا۔ مچھلیاں کنارے پر آکر پاگلوں کی طرح کینچووں پر منہ مار رہی تھیں۔ تانیا کے لئے یہ نیا تجربہ تھا۔

لیکن مچھلیاں بڑی چالاک ہوتی ہیں۔ اگر آپ اپنا تمرونا دیکھنے کے بجائے دوسری کی طرف دیکھنے لگیں تو وہ دھارے کی مخالف سمت میں سر اٹھا کر آپ کا مذاق اڑائیں گی۔

تانیا بار بار کولیا کی بنسی پر نظر ڈال رہی تھی اور کولیا اس کے کانٹے کا جائزہ لے رہا تھا۔ دونوں کو ڈر تھا کہ کہیں دوسرا اس سے بازی نہ لے جائے لیکن اس دوران میں مچھلیاں کیچوا کھا کر دونوں کے کانٹے صاف کر گئیں۔

کولیا نے پہلے ہار مانی۔ کھڑے ہو کر لمبی چوڑی انگڑائی لی اور انگلیاں اور بدن کے جوڑ چٹخائے "مجھے پتہ تھا بے کار ہے" اس نے گویا خود سے کہا۔

"بس بیٹھے لہروں کو تکتے رہو۔ سخت بوریت ہے۔ نیند آنے لگتی ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ان بے وقوف مچھلیوں کو زینیا کی طرح شیشے کے بکس میں پالا جائے"

"بے وقوف تو ہیں ہی۔ جب ہی تو شیشے کو پانی سمجھ بیٹھتی ہیں" تانیا نے اونچی آواز میں کہا۔

کولیا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا بات کرے۔ وہ گھاٹ کے تختوں پر چڑھ گیا جو اس کے بوجھ سے دب گئے۔ قزاقنی نے گھاٹ پر بیٹھے بیٹھے چھوٹی مچھلیاں اپنے پنجوں سے پانی میں سے نکال کر تختے پر ڈال دی تھیں۔ اس نے ایک طرف کو ہٹ کر کولیا کو نکلنے کا راستہ دیا۔ اس کا بچہ عقاب ننّی منّی مچھلیوں پر لٹو ہو کر جو عین اس کی ناک کے نیچے اچھل رہی تھیں تختے کے بالکل کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ گیلے تختے پر سے کھسل کر وہ مدھم سی "چھپاک" کے ساتھ پانی میں جا گرا۔

جب تانیا نے نظریں اٹھائیں اس وقت تک وہ بہہ کر گھاٹ سے کافی دور نکل

چکا تھا۔ عقاب ڈوب رہا تھا اور چیخیں مارتی ہوئی قزاقنی بھیگی ریت پر اِدھر سے اُدھر دوڑ رہی تھی۔

تانیا فوراً چھلانگ لگا کر تختے پر پہنچی اور کنارے کے پانی میں اتر گئی۔ اس کا فراک ہوا اور پانی سے پھول کر جنگلی پھول جیسا معلوم ہونے لگا۔ قزاقنی اس کے پیچھے پیچھے پانی میں اتری مگر کولیا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا

ایک ہاتھ بڑھا کر تانیا نے بچے کو پکڑ لیا۔ گم سم عقاب ننّھا سا بھیگا ہوا چوہا معلوم ہو رہا تھا۔ تانیا نے اسے ایک پتھر پر بٹھال دیا اور قزاقنی نے اسے چاٹنا شروع کر دیا۔

کولیا پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

"تم نے جان بوجھ کر اسے پانی میں ڈھکیل دیا۔ میں سب دیکھ رہی تھی۔" تانیا غصّے سے چلّائی

کولیا چپ رہا۔

بزدل — تانیا نے دل میں کہا اور کولیا کا دھیان اپنی طرف کرنے کے لئے پٹنے پیر پٹخے۔ لیکن وہ خود اتنا بھونچکا ہو چکا تھا کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

تانیا وہاں سے بھاگ کر چٹان پر چڑھ گئی۔ اس کا بھیگا ہوا فراک اس کے گھٹنوں سے چپک گیا تھا۔

کولیا نے اسے ماہی گیروں کی جھونپڑیوں کے چٹان کی چوٹی پر جا لیا اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑا۔ "تانیا — یقین کرو — میں بے قصور

ہوں۔ یہ حادثہ تھا۔ بچّہ خود پھسل کر گر گیا تھا۔"

"چھوڑ دو مجھے۔" تانیا نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ "میں اب گھر جا رہی ہوں سیدھی۔"

"میں بھی چلوں گا تمھارے ساتھ۔" اس نے تانیا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کے پیچھے پیچھے دوڑا۔

"مت کرو میرا پیچھا ——" وہ ہانپی —— اور ایک جھونپڑی کے قریب جا کر رک گئی۔

"لیکن تم کھانے پر تو آ رہی ہو نا؟ آج اتوار ہے ابا تمھارا انتظار کریں گے۔ وہ پھر کہیں گے کہ میں نے ہی تم کو ناراض کر دیا ہوگا۔"

"اچھا —— تو تم کو محض اس بات کا ڈر ہے۔" تانیا نے چٹان سے لگتے ہوئے کہا۔

"نہیں تم مجھے سمجھتی ہی نہیں ہو۔ مجھے اپنے ابا سے بے حد محبت ہے۔ اور میں ان کا دل نہیں دکھانا چاہتا۔ اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ان کا دل دکھاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ خوب سمجھتی ہوں۔ مگر میں آج کھانا کھانے نہیں آ رہی۔ بلکہ آئندہ تمھارے گھر کبھی آؤں گی ہی نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ جھونپڑے کی دیوار کے پیچھے غائب ہو گئی۔

کولیا چٹان پر بیٹھ گیا۔ صرف اس جگہ کے علاوہ جسے تانیا کی گیلی اسکرٹ نے بھگو دیا تھا، چٹان دھوپ کی وجہ سے خشک اور گرم ہو چکی تھی۔ کولیا نے اس گیلے حصّے کو چھوا۔ عجیب لڑکی ہے۔ اس نے فلکا کی طرح کہا۔ کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اس کی باتوں پر حیران ہونا بے کار ہے۔ اور اپنا ہاتھ چٹان پر رکھ کر

وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

فلکا اس سارے واقعہ سے بے خبر ایک ننّی سی کھاڑی سے چھپی ہوئی زمین پر بیٹھا سیاہ آنکھوں والی چھوٹی چپٹی مچھلیاں پکڑنے میں مصروف تھا۔ اس کا سب سے بڑا شکار ایک بڑے سر والی مچھلی تھی جسے اس نے وہیں ریت پر ایک نوکیلے پتھر سے نشانہ بنایا تھا۔ اس کے بعد ذرا سستانے کے لیے اس نے گھاٹ کی طرف دیکھا دو بنسیاں پانی پر جھوم رہی تھیں اور ان کی ڈوریں سیدھی تنی ہوئی تھیں ——
مچھلیاں پھنس چکی تھیں —— مگر شکاری غائب تھے۔ پتھریلا راستہ بھی سنسان پڑا تھا۔

فلکا نے سر اٹھا کر پہاڑوں پر نظر ڈالی۔ ہوا ان کے اوپر اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھی —— ایک بھیگی بلی اور اس کے بچّے گھاٹ کی طرف سے نکل کر آہستہ آہستہ چٹان پر چڑھ رہے تھے ——

۹

تانیا بہرحال اپنے والد کے یہاں کھانا کھانے کے لئے گئی۔ برساتی میں جا کر شیشے کا دروازہ زور سے ڈھکیلا، ٹائیگر کو باہر چھوڑ کر اندر داخل ہوئی اور دھڑ سے کواڑ بند کر دیئے۔ یہ اس کا حق تھا کہ جب چاہے اس گھر میں پہنچ جائے۔ یہ اس کے باپ کا گھر تھا اور وہ صرف اپنے باپ سے ملنے گئی تھی۔

آپ سمجھتے ہوں —— اسے شاہ دانوں کے سموسوں کا لالچ تھا تو آپ کا خیال بالکل غلط ہے!!

قصہ مختصر تانیا نے کواڑوں کو ایک بار پھر اور زیادہ زور سے بند کیا۔ کواڑوں کے شیشے جھنجھنا اٹھے۔ تانیا میز پر جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ کھانا شروع ہو چکا تھا۔ ایک قاب میں کوفتے بھی رکھے تھے۔

"ارے تانیا — تم آگئیں بیٹی —" اس کے باپ نے خوشی سے چلا کر کہا — "کولیا کہہ رہا تھا کہ آج نہیں آؤ گی۔ اچھا ہوا تم نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ آؤ — آؤ — شروع کرو — نادیا نے بہت بڑھیا کوفتے بنائے ہیں۔ کولیا نے بھی مدد کی ہے۔ دیکھو۔ کولیا کتنا اچھا باورچی ہے!"

بہت اچھے۔ تو صاحبزادے کھانا پکانے میں بھی استاد ہیں۔ تانیا نے جل کر دل میں کہا۔ اور میز پر جھکے جھکے اپنی آنکھیں باپ پر، سامنے کی دیوار پر اور نادیا کے دوستانہ ہاتھوں پر جمائے رکھیں جو اسے روٹی اور کوفتے اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے — مگر کولیا پر ایک بار بھی نظر نہ ڈالی۔ کولیا اپنی کرسی پر کندھوں کے درمیان سر دیئے بیٹھا تھا۔ ہلکی ہلکی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

"ابا تم نے تانیا سے یہ کیوں کہہ دیا کہ کوفتے پکانے میں میرا بھی ہاتھ تھا۔ اب وہ ان کو چھوئے گی بھی نہیں۔"

"کیوں جھگڑتے ہو تم لوگ؟" والد نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

"نہیں ابا — ہم لوگ تو کبھی نہیں جھگڑتے۔ آپ نے خود کہا تھا کہ ہمیں ایک دوسرے کا دوست رہنا چاہیئے۔" کولیا بولا۔

"شاباش۔" باپ نے کہا۔

اور کولیا نے میز پر جھک کر تانیا کے کانوں میں پھنکارا — "اور آج مجھ سے

کن محترمہ نے کہا تھا کہ کھانا کھانے تشریف نہ لائیں گی؟"

"میں کھانے کے لئے نہیں آئی" تانیا نے اونچی آواز میں جواب دیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔ نہیں نہیں — بالکل بھوک نہیں ہے" اس نے بار بار دہرایا۔ اس کے باپ اور نادیا دونوں نے اصرار کرنا شروع کر دیا تھا۔

"کیوں نہیں ہے بھوک؟ کوفتے بھی نہیں کھاؤ گی؟" باپ نے ذرا پریشان ہو کر پوچھا۔

"جی نہیں۔ شکریہ۔ میں اماں کے ساتھ کھانا کھا چکی ہوں"

"اب اصرار مت کرو آپا۔ تانیا ہرگز ہرگز نہیں کھائے گی" کولیا نے طنز سے کہا۔

"اچھا۔ جیسی ان کی مرضی۔ حالانکہ کوفتے بہت ہی مزیدار بنے ہیں" اس کے باپ نے رنج کے ساتھ کہا۔

طرح طرح کے خیال تانیا کے ذہن میں منڈلاتے رہے۔ اس کی نظریں پلیٹ پر جمی تھیں جس میں کوفتے تیزی سے ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اسے چکر سا آ رہا تھا۔ بھوک کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا دل چاہتا کیا ہے۔ وہ اندھوں کی طرح بغیر کسی ارادے کے آن پہنچی تھی اور اپنے دل کی دھڑکن کے علاوہ اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ ممکن ہے کہ میں کوئی بحث شروع کر دوں تو ذرا سا چین ملے۔

"آپا —" اس نے اچانک سوال کیا — "کیا یہ صحیح ہے کہ ہیرنگ مچھلیاں پیدائشی نمکین ہوتی ہیں؟ کولیا تو یہی کہتا ہے۔ کولیا کہتا ہے کہ زولوجی بالکل بکواس

ہے بلکہ زولوجی سائنس ہے ہی نہیں۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں —" اپا نے پوچھا۔

کولیا کھاتے کھاتے رک گیا اور انتہائی تعجب کے ساتھ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس نے تانیا سے یہ کبھی بھی نہیں کہا تھا۔ لیکن پھر اسے یاد آیا کہ آج صبح ہی اس نے طے کیا تھا کہ تانیا کی باتوں یا حرکتوں پر حیران ہونا بالکل بے کار ہے۔ چنانچہ اپنی حاضر دماغی واپس لاکر اس نے تانیا پر نظریں جما دیں۔ اس کی روشن آنکھوں میں مسکراہٹ چمکنے لگی۔

"ظاہر ہے کہ زولوجی بالکل بکواس ہے۔ بھلا یہ کون سی سائنس ہے جو کہتی ہے کہ چار پاؤں اور ایک دُم والی شے کا نام بلی ہے۔"

تانیا کا ماتھا اور گال سرخ ہو گئے۔ وہ سمجھ گئی کہ کولیا نے "بلی" کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔

"پھر تم کو کون سے مضمون پسند ہیں؟" تانیا نے پوچھا۔

"ریاضی — اگر دو دائروں کا ایک مشترک نقطہ ہو تو....' اور مجھے ادب بھی پسند ہے۔ ادب میں ایک طرح کی نرمی ہوتی ہے۔"

"نرمی —؟" تانیا نے دہرایا۔

حالانکہ تانیا کو ادب اور موسیقی وغیرہ سے بے حد لگاؤ تھا اور ڈکنز اور والٹر اسکاٹ اور کرائی لود اور گوگول پر مرتی تھی، مگر اس وقت اس نے ناک سکیڑ کر کہا "کوئی نرمی ورمی نہیں ہے۔ ایک دن ایک گدھے نے ایک بلبل کو دیکھا۔" بکواس —"

دونوں الجھتے رہے، اپنے اپنے لطیفوں پر مسکرائے بغیران کی آنکھوں سے غصے اور نفرت کی چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔ آخران کے باپ نے جس کی سمجھ ہی میں نہ آیا تھا کہ بحث کس بات پر ہو رہی ہے، کہا۔

" احمق مت بنو۔ بچو —— یہ کیا لونڈھیا رپن ہے — پتہ نہیں تم دونوں کیا اُڑا رہے ہو "

تانیا کا سر چکرا رہا تھا اور کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ بھوک اس کے دل اور دماغ کے پرخچے اڑا کر اب اس کے خون اور اس کی رگوں میں گھلتی جا رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ کھانا نظر نہ آئے۔ جب آنکھیں کھولیں تو میز صاف کی جا رہی تھی۔ کوفتوں کی قاب، ڈبل روٹی اور نمک دانی بڑھائی جا چکی تھیں۔ اس کی پلیٹ ابھی اس کے سامنے موجود تھی۔ مگر نادیا نے اسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ بالکل بلا ارادہ تانیا نے پلیٹ اپنے ہاتھوں سے روک لی اور فوراً دل میں اپنے ہاتھوں کو کوسا۔

" کیا بات ہے تانیا —— تمھارے لئے کوفتے چھوڑ دوں؟" نادیا نے دریافت کیا

" جی نہیں —— مگر میں دو ایک کوفتے ٹائیگر کو کھلانا چاہتی تھی "

" ضرور ——" اس کے باپ نے کہا " ساری پلیٹ لے جاؤ "

چند کوفتے اٹھا کر تانیا برساتی میں گئی۔ ٹائیگر کے سامنے آلتی پالتی مار کے اس نے جلدی جلدی کوفتے نگلے اور ساتھ ساتھ زار و قطار روتی گئی۔

ٹائیگر بہت حیران تھا اور اپنی حیرت کا اظہار کرنے کے لئے زور زور سے بھونک

رہا تھا۔ اور اس کے بھونکنے کے شور میں قدموں کی چاپ بھی ڈوب گئی اور آپا کا ہاتھ تانیا کے کندھوں پر پڑا۔ اور کھوجتی ہوئی نگاہوں سے انھوں نے اسے دیکھا۔

"میں نے شیشے کے دروازے میں سے یہ منظر دیکھ لیا ہے۔ کیا بات ہے بیٹی۔ تم پر کیا بپتا پڑی ہے؟"

انھوں نے اسے اس طرح اوپر اٹھایا جیسے اس کے دکھ کے بوجھ کا اندازہ کر رہے ہوں۔

تانیا نے خاموشی سے باپ کو دیکھا۔ اب بھی وہ اسے جنگل کے اپنے سے بہت دور سب سے اونچے ان درختوں کی مانند معلوم پڑے جن کے تنے کو تو وہ چھو سکتی تھی مگر ایک نظر میں وہ درخت دکھلائی نہ دے سکتے تھے۔

وہ ان کے کندھے سے لگ گئی۔

"کیا بات ہے تانیا؟ —— بتاؤ۔ شاید میں تمھاری مدد کر سکوں مجھے بتاؤ تم کن چیزوں سے خوش ہوتی ہو؟ کون سی چیزیں تمھیں دکھی کرتی ہیں؟ اور اس وقت تم کیا سوچ رہی ہو ——؟"

لیکن وہ چپ رہی۔ اس وقت وہ سوچ رہی تھی —— میری ایک ماں ہے۔ ایک گھر ہے۔ دو وقت کا کھانا ہے۔ کتّا اور بلّی تک ہیں۔ لیکن میں بن باپ کی لڑکی ہوں۔ باپ کے گھٹنوں پر بیٹھے ہوئے وہ یہ بات انھیں بتا نہ سکتی تھی۔ یہ الفاظ سن کر یہ لمبا چوڑا بہادر انسان اس طرح پیلا پڑ جائے گا جتنا پیلا وہ کسی گھمسان جنگ سے قبل بھی کبھی نہ پڑا ہوگا۔

اسے معلوم نہیں تھا، اس وقت سان و گمان نہ ہو سکتا تھا کہ سوتے جاگتے

یہ انسان اسی کے متعلق سوچتا رہتا تھا، اس کا نام جسے اب تک اس نے کبھی یاد بھی نہ کیا تھا، بڑے لاڈ اور پیار سے لیتا تھا، اور عین اس وقت بھی وہ سوچ رہا تھا میں اپنی خوشیاں خود اپنے ہاتھوں کھو بیٹھا۔ میں نے اپنی منی کو کبھی اپنی گود میں نہ کھلایا۔

لیکن یہ بات تانیا نہیں جان سکتی تھی۔ وہ اسی طرح باپ کا سہارا لیئے بیٹھی رہی۔

لیکن اس طرح باپ کے پاس بیٹھنے میں کتنا سکون مل رہا تھا!

یہ خزاں کا آخری زمانہ تھا۔ برساتی بارش سے بھیگ چکی تھی اور شام کی ہوا میں ٹھنڈک تھی، لیکن تانیا کو سردی نہیں لگی۔ وہ باپ سے چپٹی دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی۔ اور ایک ایک کر کے ستارے، سڑک چونے سے لپی پگڈنڈی اور شیشے کے دروازے والے اس مکان پر جھلملانے لگے۔

۱۰

بعض مرتبہ درخت بھی انسانوں جیسے ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک درخت اسکول کے پچھواڑے، جہاں ایندھن جمع کیا جاتا تھا، کھڑا تھا اور کلاس روم کی کھڑکیوں میں سے صاف نظر آتا تھا۔ جب آپ صبح کلاس میں اپنی جگہ پر جا کر بیٹھیں اور باہر دیکھیں تو درخت مسکرا کر "ہلو" کہتا اور آپ بھی مسکرا کر اسے جواب دیتے۔

اس کے پتے جھڑ گئے تھے مگر اس کے باوجود اس کی خوبصورتی میں کوئی فرق نہ آیا —— اس کی جاندار شاخیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ اس کا

تنا سیاہ تھا۔ تانیا کو پتہ نہیں تھا کہ یہ ایلم کا درخت ہے یا ایش کا۔ لیکن موسم سرما کی پہلی برف کے لڑکھڑاتے ڈگمگاتے گالے جب اس کی پتیوں سے بے نیاز شاخوں کو پکڑ کر ٹھہرنا چاہتے تو ٹھہر نہ پاتے اور پھسل کر جلد نیچے گر جاتے۔

یہ بھی میری طرح دوسرے انسانوں کی طرح اندر سے زندہ اور گرم ہوگا۔ تانیا اسے دوستانہ انداز سے دیکھ کر سوچتی۔

کولیا بلیک بورڈ کے سامنے کھڑا اپنا سبق سناتے ہوئے اِزرگل[1] کے متعلق بتا رہا تھا کولیا کا چہرہ ذہین تھا۔ ابھرا ابھرا چمکیلی، ہنستی ہوئی آنکھیں۔ اس کی گفتگو کا انداز بھی بڑا جاندار اور پُراثر تھا۔

الگزنڈرا الیوانودوا اس سے بہت خوش تھیں۔ ان کے خیال میں یہ لڑکا کلاس کے لئے باعثِ فخر تھا۔ "میں نے ایک دفعہ گورکی کو دیکھا بھی تھا" کولیا نے شرم سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔ اسے شیخی ہانکنے سے شدید نفرت تھی۔ بچے اس کی جھینپ کی وجہ سمجھ گئے۔ "ہمیں بتاؤ۔" انھوں نے چلا کر کہا۔ تم نے گورکی کو دیکھا ——؟ واقعی؟ کہاں؟ ان سے بات کی؟" الگزنڈرا الیوانودا نے کولیا سے پوچھا۔

"بات نہیں کی۔ میں نے انھیں درختوں کے پیچھے سے دیکھا تھا۔ وہ ایک باغ میں کھڑے تھے۔ کریمیا میں —— مگر مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ میں صرف دس سال کا تھا۔ ابا کے ساتھ وہاں گیا تھا۔"

"گورکی باغ میں کیا کر رہے تھے؟"

---

[1] روسی ادیب میکسم گورکی کی ایک کہانی کا کردار۔

"پگڈنڈی کے کنارے الاؤ جلا رہے تھے۔"

"پھر کیا ہوا؟" بچوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

مگر اسے اور کچھ یاد نہ تھا۔ اس نے جنوب کے ایک پہاڑی علاقے کا ذکر کیا جہاں دھوپ سے تپتی بھوری سڑکوں پر صبح صبح گدھے رینگتے تھے اور انگور کی بیلیں پتھر کی دیواروں کے پیچھے سے جھانکتی تھیں۔ بچے کولیا کے قصے میں کھوئے رہے۔ صرف تانیا کا دھیان کہیں اور تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر لنڈ منڈ درخت پر برف کے پھلے گالے گرتے دیکھتی رہی۔

انگور! ـــــ وہ سوچ رہی تھی اور میں نے صنوبر اور سرو کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔ پھر وہ پھولوں سے لدے سیب اور ناشپاتی کے پیڑوں اور گیہوں کے لہلہاتے کھیتوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ انوکھے پھول اور پودے اس کے خیال میں آئے۔ کھڑکی کی چوکھٹ کا سہارا لئے الگزنڈرا ایوانووا کچھ دیر سے تانیا کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کو اپنی اس چہیتی شاگرد کے متعلق ایک فکر سی ہو گئی تھی۔ کیا یہ لڑکوں اور ناچ کی محفلوں کے متعلق سوچنے لگی ہے؟ اس کا حافظہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا ہے۔ مگر کچھ کھوئی کھوئی سی رہتی ہے۔ اور اس مرتبہ تو تاریخ میں اس نے صرف ایک "گڈ" ہی حاصل کیا۔ استانی نے سوچا اور پھر بولیں:۔

"تانیا! تمھارا دھیان اس وقت کہاں ہے؟ تم توجہ نہیں دے رہی ہو۔"

اپنی نظر کھڑکی پر سے بمشکل ہٹاتے ہوئے تانیا اٹھی، وہ اب بھی اپنے سپنوں کی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔

"تانیا ـــــ؟"

"کولیا ہمیں کوئی خاص دلچسپ بات تو بتا نہیں رہا ہے"۔ اس نے جواب دیا۔

"کولیا بہت اچھی باتیں بتا رہا ہے اور ہم سب بڑی دلچسپی اور خوشی کے ساتھ اسے سن رہے ہیں۔ تم کبھی کریمیا گئی ہو بھلا؟ تم نے کبھی گورکی کو دیکھا — ؟ ذرا سوچو تو سہی — اپنے سچ کے گورکی — !!!

"میرے ابا مجھے کبھی کریمیا نہیں لے گئے"۔ تانیا نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"پھر تو تمھارے لئے اور زیادہ ضروری ہے کہ تم کولیا کا قصّہ غور سے سنو"۔

"نہیں سنوں گی"۔

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کے اس قصّے سے روسی زبان کے سبق کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔

استانی کھڑکی سے ہٹ کر آہستہ سے تانیا کی طرف آئیں۔ ان کے پیروں کی چاپ جو ہمیشہ بڑی دھیمی ہوتی تھی اس وقت کلاس میں گونج اٹھی۔ وہ بے حد بے چین تھیں اور آنکھوں سے سختی جھلک رہی تھی۔

تانیا عاجزی کے ساتھ ان کی منتظر رہی۔

"آج گھر جاؤ تو اپنے والد سے کہنا کہ کل صبح آکر مجھ سے ملیں"۔ انھوں نے تانیا کے تمتماتے ماتھے اور اس کے ہونٹوں کو خفگی سے دیکھا۔ انھیں بہت تعجب ہوا کہ وہی ہونٹ جنھوں نے ابھی ابھی ایسی گستاخی کے الفاظ ادا کئے تھے، اچانک سفید پڑ گئے تھے۔

"میں اپنی والدہ سے کہوں گی۔ وہ آکر آپ سے مل جائیں گی"۔ اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

استانی ذرا ہچکچائیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لڑکی کو ہو کیا گیا ہے۔ غالباً اس کی اس حالت کا تعلق اس لڑکے کولیا ہی سے ہے۔ انھوں نے طے کیا کہ تانیا کی والدہ سے خود جاکر ملیں گی۔ انھوں نے تانیا کی انگلیوں پر ہاتھ رکھا: "تمھاری اس بدتمیزی کی کوئی وجہ ضرور ہے ــــ میں اس مرتبہ تمھیں معاف کر دوں گی ــــ تمھارے والدین کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ طور طریق ایک نوجوان پانیئر کو زیب نہیں دیتے۔ جو کچھ تمھارے دل میں ہے اپنی زبان پر نہیں لائیں۔ تم تو بڑی صاف گو اور سیدھی لڑکی تھیں۔ نہ جانے تم کو کیا ہو گیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ اسی پریشانی کے عالم میں اپنے ڈیسک پر واپس چلی گئیں۔

بچے اسی طرح چپ چاپ بیٹھے رہے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ صرف موٹی زینیا اس زور سے اپنی جگہ سے مڑی کہ اس کی گردن میں بل آتے آتے رہ گیا۔

"تانیا کو کولیا سے عشق ہو گیا ہے۔ ساری بات یہ ہے دراصل"۔ اس نے چپکے سے فلکا سے کہا اور جواب میں فلکا نے اسے ایک ٹھوکر لگائی۔

تانیا اب بھی ڈیسک کو مضبوطی سے پکڑے اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ اگر اس کی ہمت بھی اس کی زبان کی طرح ٹھٹھر گئی ہوتی تو وہ یقیناً گر پڑتی۔

"کھڑی کیوں ہو ــــ؟ بیٹھ جاؤ ــــ" استانی نے کہا۔

"میں اپنی جگہ بدل سکتی ہوں؟"

"کیوں؟ تم زینیا کے ساتھ نہیں بیٹھنا چاہتیں؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ لیکن کھڑکی سے نظر آنے والا درخت میرا دھیان ہٹا دیتا ہے۔"

"اچھا۔ بدل لو جگہ۔ تم بھی عجیب لڑکی ہو تانیا۔"

وہ قطار کے آخری ڈیسک پر جاکر بیٹھ گئی۔ یہاں تنہائی تھی۔ "تم بھی بیٹھ جاؤ کولیا ــــــ!" استانی نے کہا۔

لیکن کولیا اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ وہ اس طرح آگے کو جھکا کھڑا تھا جیسے کلاس روم کے بجائے کسی اونچے پہاڑی راستے پر ہو۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں چندھیالی تھیں جس میں ضد کی جھلک تیر رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ کولیا ــــ" استانی نے دہرایا۔

"کیا میں تانیا کی سیٹ پر بیٹھ سکتا ہوں؟"

"تم دونوں کو آخر ہو کیا گیا ہے؟"

لیکن استانی نے اسے اجازت دے دی اور محض ضد میں وہ زینیا کے برابر کی سیٹ پر جا بیٹھا۔

تانیا نے اپنی نئی جگہ سے اس امید پر کھڑکی کے باہر دیکھا کہ اب وہ درخت نظر نہ آئے گا۔ مگر درخت وہاں بھی موجود تھا ــــ ! برف نے پگھلنا ختم کر کے اس کی ڈالیوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ اور اس کی سب سے اونچی شاخیں دھند لکے میں نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔

۱۱

اگر انسان اکیلا ہو تو صحیح راستہ سے بھٹکنے کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ سڑک کے کنارے کھڑے فلکا نے سوچا اسی راستے سے وہ اور تانیا اکھٹے گھر جایا کرتے تھے۔ وہ چینی خوانچہ والے کے نکڑ پر ایک گھنٹے سے اس کی راہ دیکھ رہا تھا لیکن خوانچہ کی چپچپاتی مٹھائی یا شاید چینی کی کھڑاؤں نے اس کا دھیان بٹا دیا اور وہ تانیا کو نہیں دیکھ پایا جو اکیلی ہی گھر چلی گئی اور اب وہ بھی تنہا رہ گیا تھا۔

اگر ایسا واقعہ شمال کے گھنے جنگلوں میں پیش آیا ہوتا تو فلکا کو پریشانی نہ ہوتی۔ وہ فوراً تانیا کے قدموں کے نشانوں پر چل کھڑا ہوتا۔ لیکن یہاں اس شہر میں اگر اس نے تانیا کا اس طرح پیچھا کیا تو اس کا مذاق اڑایا جائے گا۔ اور ممکن ہے اسے 'شکاری کُتّے' کا خطاب بھی مل جائے۔ یہ سوچ کر فلکا اس تلخ نتیجہ پر پہنچا کہ اس کے بہت سے ہُنر شہر میں بے کار تھے۔ وہ جنگلی کھاڑی کے قریب تازہ برف پر سیبلؔ[1] کا پیچھا کر سکتا تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر سائیان میں رکھا اناج سردی سے جم جائے تو سلیج میں کتے جوت کر برفیلی زمین میں سیر سپاٹے کے لئے نکلا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے میں برف سخت ہو جاتی ہے اور سلیج کے بوجھ سے ٹوٹتی نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ پورنماشی کی رات میں سمندر کی طرف سے ہوا چلے تو برف کا طوفان بھی یقینی ہے۔

لیکن یہاں شہر میں چاند کو کون دیکھتا ہے یہاں تو اخبار اطلاع دیتے ہیں کہ برف سفر کرنے کے لئے خطرناک ہے اور اگر طوفان آنے والا ہو تو مینار پر جھنڈا لگا دیا جاتا ہے یا ایک توپ سر کر دی جاتی ہے۔

---

[1] ایک قسم کا جانور جس کی کھال سے سموری کوٹ اور بالوں سے مصوری کے برش بنائے جاتے ہیں۔

فلکا بھی عام شہری لڑکوں کی سی زندگی گزار رہا تھا۔ برف پر بھاگتے اور غائب ہوتے جانوروں کا پیچھا کرنا اسکول کے کورس میں شامل نہ تھا اور لڑکوں کو حساب کے ایسے کٹھن سوال حل کرنے اور گرامر میں ایسے کٹھن مسئلوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو جنگل کے بڑے سے بڑے شکاری کو بوکھلا دیں۔

لیکن اب فلکا نے طے کیا کہ کوئی اس پر ہنسے یا اسے شکاری کتا پکارے وہ اپنی سی کرے گا۔ سڑک پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے اس نے پیروں کے ایک ایک نشان کو اچھی طرح جانچا۔ خوش قسمتی سے سڑک سنسان تھی اور تازہ برف پر ابھی زیادہ نشان بھی نہیں پڑے تھے۔ کچھ دیر بعد زمین پر اس طرح نظریں جمائے جمائے فلکا اٹھ کر آگے بڑھا۔ وہ اچھی طرح بھانپ گیا تھا کہ کون کون ادھر سے گزرا ہے۔ تانیا کے قدموں کے تنہا نشان جنگلے کے ساتھ ساتھ گئے تھے۔ وہ دوسروں سے آگے آگے ایسے ہلکے پھلکے قدموں سے گئی تھی کہ نرم نرم بھربھری برف بالکل خراب نہ ہوئی تھی۔ زینیا کے جوتوں کے نشان کولیا کے ساتھ ساتھ نظر آرہے تھے۔ وہ بڑی ضد اور ثابت قدمی سے برف پر پاؤں دھرتا ہے۔

زینیا اور کولیا کی چال بھی عجیب سی تھی۔ بار بار سڑک سے ہٹ کر انھوں نے انتظار کیا تھا اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر تانیا کے پاس پہنچ گئے تھے۔ شاید وہ تانیا پر ہنستے بھی رہے تھے۔ اور تانیا بڑی پریشانی کے ساتھ چلتی رہی تھی۔ فلکا کے باغ میں یا دریا کے ساحل کی ریت پر اپنے قدموں کے ایسے نشان تانیا نے کبھی نہ چھوڑے تھے۔

لیکن آخر وہ گئی کہاں؟ اس کے پیروں کے نشان ایک ایسے مقام پر پہنچ کر

اچانک غائب ہو گئے جہاں نہ کوئی برساتی تھی اور نہ ہی کوئی پھاٹک نظر آرہا تھا۔ کیا ابابیل کی طرح پھر سے اڑ گئی ؟ یا پتنگ کی طرح بادلوں میں پہنچ کر ناچ رہی تھی؟ یہ تانیا کی بچی ـــ اتنی اونچی باڑ پر سے تو وہ ظاہر ہے کہ کسی طرح پھلانگ نہ سکتی تھی۔ فلکا ایک سکنڈ ٹھٹھک کر پھر زینیا اور فلکا کے قدموں پر چلنے لگا جو پہلے ساتھ ساتھ تھے اور کونے پر پہنچ کر لگتا تھا کہ لڑ بھڑ کے الگ الگ ہو گئے تھے۔

لڑ بیٹھے دونوں ـــ فلکا نے اندازہ لگایا اور ہنستے ہوئے پھر پیچھے ہٹ کر تانیا کے قدموں کے نشانوں پر غور کرنے لگا جو باڑ تک پہنچ کر ختم ہو گئے تھے۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ باڑ میں سے ایک لکڑی کا ٹکڑا باہر نکلا ہوا تھا۔ وہ اسی پر پیر ٹکا کر اوپر چڑھی ہو گی۔ اس کی ٹانگیں مضبوط ہیں ـــ لیکن اگر میری ٹانگیں اس سے دوگنی تگڑی نہیں تو اپنا نام بدل دوں گا۔ اپنا اسکول کا بستہ جنگلے کی دوسری طرف پھینک کر فلکا نے اتنی اونچی جست لگائی کہ سڑک پر سے گزرتی ایک بڑی بی کے منہ سے نکلا ـــ "ارے توبہ ـــ لڑکا ہے یا چھلاوہ ـــ!!"

لیکن فلکا اتنے میں دوسری طرف کسی کی سبزی کی باڑی میں کود کر تانیا کے قدموں کا پیچھا کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

باڑی کے دوسرے سرے کی باڑ پھلانگ کر فلکا تانیا کے گھر کے پچھواڑے والے جنگل میں جا پہنچا۔ برف میں چند ٹھونٹھ دار جھاڑیوں کا چکر کاٹ کر فلکا نے جنگل پر نظر ڈالی۔ برچ کے نوجوان درخت اور نئی نویلی برف اتنی سفید لگ رہی تھی اور اس کی جھلملاہٹ نے جنگل کو اتنا حسین بنا دیا تھا کہ فلکا نے باوجود جنگل میں پرورش پانے کے ایسا سہانا منظر کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

کسی مصوّر نے ہر شاخ کو سفید چاک سے کھینچا ہو ـــــ کہرے کے مرغولے درختوں کے تنوں سے لپٹے ہوئے تھے اور چھالوں پر سے روشنیوں کے ننھے ننھے قطرے سے ٹپک رہے تھے۔

اس چاندی کے جنگل میں تانیا ایک پیڑ کے نیچے چپ چاپ کھڑی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ اپنی سسکیوں میں اس نے فلکا کے قدموں کی آہٹ اور شاخوں کی کھڑکھڑاہٹ تک نہ سنی۔ منٹ بھر کے لیے فلکا جھاڑیوں کے پیچھے چھپا رہا پھر برف پر جھکے جھکے، گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے جنگل سے باہر نکل گیا۔

انسان اگر اکیلا رہ جائے تو صحیح راستے سے بھٹکنے کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔! شکاری کتے کی طرح لوگوں کا پیچھا کرتا ہے، اونچی اونچی باڑیں پھلانگ کر لومڑی کی طرح جھاڑیوں کے پیچھے چھپتا ہے۔ لیکن اگر کوئی رو رہا ہو تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ فلکا نے سوچا اور جنگل کا لمبا چکر کاٹ کر تانیا کے پھاٹک پر جا پہنچا۔ دروازہ کھول کر بے خوفی سے اندر چلا گیا۔ اور بوڑھی انّا سے کہا کہ وہ تانیا کی والدہ کو یہ اطلاع دینے کے لئے آیا ہے کہ اسٹڈی سرکل کی میٹنگ کی وجہ سے تانیا گھر دیر سے آئے گی۔

انّا نے اسے اندر جانے کا راستہ بتایا مگر فلکا نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی جھٹ سے بند کر دیا اسے کمرے میں استانی الگزنڈرا ایوانووا کی جھلک نظر آئی۔ وہ تانیا کی والدہ کے کندھوں پر بازو ڈالے چھوٹے سے سرخ صوفے پر بیٹھی بڑی رازداری سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ دونوں بیبیوں کے ہاتھوں میں ننھے منّے سفید رومال تھے جن سے وہ آنسو پونچھتی جاتی تھیں۔ کیا ان پر بھی کوئی بپتا پڑی تھی؟

دبے پاؤں فلکا باہر نکلا اور تیزی سے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اسے پتہ تھا کہ اس کی بیشتر صلاحیتیں شہری زندگی کے لئے بے کار ہیں۔ وہ جانوروں کو محض ان کی آوازوں سے پہچان سکتا تھا۔ اسے جڑی بوٹیوں کے استعمال اور فائدے معلوم تھے۔ وہ پانی کا رنگ دیکھ کر دریاؤں کی گہرائی بتا سکتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مکان اگر جنگل میں بنا ہو تو اس کی درازوں کو نمدے سے نہیں بھرنا چاہیئے کیونکہ چڑیاں اپنے گھونسلوں کے لئے یہ نمدہ چرا لے جاتی ہیں۔

لیکن فلکا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جب دو انسان ہنسنے کے بجائے اکٹھے بیٹھ کر آنسو بہا رہے ہوں تو اس وقت کیا کرنا چاہیئے۔ اور یہ طے کر کے کہ ان کو سکون کے ساتھ رونے دینا ہی بہتر ہے وہ اپنے کتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کیونکہ جاڑے آ گئے تھے اور دریا بہت جلد برف کی تہہ سے ڈھک جائے گا اور چاندنی میں تانبے کی طرح چمکے گا۔

۱۲

سردیوں کی چھٹیوں کے اختتام تک برف تھوڑے تھوڑے وقفے سے گرا کی اور بہت جلد سارا شہر برف کے نیچے جیسے دفن ہو گیا۔ کواڑ مشکل سے کھلتے تھے۔ برف سے ڈھکی فٹ پاتھ کے کنارے کنارے راہ گیروں کے چلنے کے لئے خندق کھود دی گئی تھیں اور سڑک کی سطح اور بھی اونچی ہو گئی تھی۔ لیکن برف پھر بھی گرتی رہی۔ صرف اسکول کے میدان میں جہاں وہ برابر قدموں تلے روندی جاتی تھی۔ برف نے ہار مانی سخت اور چکنی زمین سے چپک کر وہ برف اتنی سخت، چکنی اور لیسدار ہو گئی کہ اسے ماڈل بنانے والی مٹی کی طرح استعمال کیا جا سکتا تھا۔

تانیا کئی دن تک دوپہر کے کھانے کے وقفے میں برف کا پتلا بنانے میں مصروف رہی۔ آخر کار اس نے اپنا کام ختم کر لیا لڑکے جو اس کی مدد کر رہے تھے سیڑھی اور بالٹی ہٹائے گئے اور تانیا نے چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنے شاہکار پر نظر ڈالی۔

تانیا نے ایک فوجی سپاہی کا پتلا بنایا تھا جس نے فولاد کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اور جس کے چوڑے چکلے کندھوں اور باوقار انداز میں تانیا کے باپ کی جھلک نظر آتی تھی۔ لگتا تھا جیسے دنیا کے آخری کنارے پر اپنی بندوق پر جھکا ہوا کھڑا یہ سپاہی پہرہ دے رہا ہو ـــــ اس کی نظریں خلا پر جمی ہیں اور سیاہ سمندر اس کے سامنے پھیلا ہوا ہے۔ ظاہر ہے وہاں سمندر کہاں سے آیا مگر اس پتلے کو دیکھ کر یہی خیال آتا تھا۔ بچے اس مجسمے کو دیکھنے میں محو تھے۔ بڑے لڑکوں نے تانیا کو اپنے گھیرے میں لے کر ہوا میں اچھال دیا اور زور کا نعرہ لگایا "تانیا زندہ باد" چند لڑکیاں "اوئی" اور "ہائے" کہہ اٹھیں حالانکہ کسی نے ان کو چھوا تک نہ تھا۔ لیکن تانیا نے اف تک نہ کی۔ وہ حیرت میں تھی۔ اسے یہ پتہ نہ تھا کہ وہ برف کا اتنا اچھا پتلا بنائے گی۔ اسے صرف ایک خیال آیا اور پھر وہ اپنی دھن میں پتلا بناتی چلی گئی تھی۔ بندوق پر ایک "سنگین" لگا کر چمکیلی برف سے اس پر پالش سی کر دی تھی۔ لیکن سردی پانی اور برف کی وجہ سے اب اس کی انگلیاں دکھ رہی تھیں۔ جن کو گرم کرنے کے لئے اس نے انھیں اپنے منہ میں دے لیا تھا۔

کولیا کچھ دوری پر کھڑا اس پتلے کو دیکھ رہا تھا۔

تالیوں کی آواز پر الگزینڈرا الوالو دا بھی صحن میں نکل آئیں۔ مجسمے کی خوبصورتی نے ان کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ ان کا اونی لباس کہرے سے ڈھک گیا اور گلے

میں پڑا یاقوت کا ستارہ دھندلا گیا مگر وہ وہیں کھڑی اپنے بچپن کا زمانہ یاد کرتی رہیں بچپن میں انھوں نے بھی اپنی ہم جولیوں کے ساتھ برف کے پتلے بنائے تھے۔ ایک پتلا ان کو ابھی تک اچھی طرح یاد تھا جسے انھوں نے صحن کے کونے میں کھڑا کر دیا تھا۔ چاندنی رات میں یہ پتلا بہت بھیانک لگتا تھا۔ بڑے سے سر اور کوئلے سے بنے ہونٹوں والے چہرے کے گرد روشنی کا ایک ہالہ سا بن گیا تھا۔ اور ایک رات کھڑکی میں سے اسے دیکھ کر الگزنڈرا ایوانووا ڈر کے مارے چیخ پڑی تھیں اور بری طرح رونے لگی تھیں۔ وہ رات بھر جاگتی رہی تھیں چاندکی روشنی میں وہ برف کا پتلا پاتال سے آیا ہوا ایک خوفناک دیو معلوم ہو رہا تھا۔

آج بتیس برس بعد انھوں نے پھر ایک بار چاروں طرف نظر ڈالی کہ وہ خوفناک برفانی پتلا اب تو ان کا پیچھا نہیں کر رہا ہے۔ صحن میں اِدھر اُدھر برف سے بنے سپاہی، سورما اور گھوڑے پر سوار ایک فوجی سردار نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی تانیا کے سنتری کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا مگر یہ سارے بھانت بھانت کے پتلے بڑے انوکھے پن اور خوب صورتی سے بنائے گئے تھے۔

"پہرے کا یہ سپاہی تم نے بنایا ہے؟" استانی نے تانیا سے دریافت کیا۔

تانیا نے انگلیاں منہ سے نکال کر اقرار میں سر ہلایا۔ "آپ کو بہت سردی لگ رہی ہے الگزنڈرا ایوانووا آپ کے ہار کا ستارہ کہرے سے دھندلا گیا ہے۔ میں اسے چھولوں؟" تانیا نے یہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا اور ستارے پر انگلی رگڑ کر اسے چمکا دیا۔

"اتنا عمدہ سنتری بنانے کے انعام میں یہ ستارہ لوگی؟" استانی نے پوچھا۔

تانیا چونک پڑی "جی نہیں الگزنڈرا ایوانووا — ہم لوگوں کے خیال میں یہ ستارہ

آپ کی شخصیت کا لازمی حصہ ہے ۔ میں اسے آپ سے چھیننا نہیں چاہتی!" اتنا کہہ کر تانیا پھاٹک کی طرف بھاگ گئی جہاں فلکا کھڑا اسے بلا رہا تھا ۔

الگزنڈرا ایوانودا تانیا کے متعلق سوچتی ہوئی برساتی میں چلی گئیں ۔ تانیا ان کو بے حد اداس اور اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی دکھلائی دی تھی ۔ لیکن اس کی ہر ادا اور ہر انداز میں حُسن تھا ۔ شاید محبت کے نرم جھونکے نے اس کے دل کو چھو لیا تھا! آخر اس میں حرج ہی کیا ہے ۔ استانی نے مسکراتے ہوئے سوچا اور اس وقت یہ لڑکی اتنی زور سے چبا کیا رہی تھی ۔ چلتی خوانچہ فروش والی درخت کی رال ــــــ ؟ آہ محبت ــــــ شیریں محبت ــــــ تجھ میں درخت کی رال بھی گھولی جا سکتی ہے ؟

چپکے چپکے ہنستے ہوئے الگزنڈرا ایوانودا نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا

استانی کا خیال غلط نہیں تھا ۔ فلکا صنوبر کی رال زینیا کے علاوہ بقیہ اپنے سارے دوستوں کو بانٹنے میں مشغول تھا ۔

"مجھے بھی تھوڑا سا دو ــــــ" زینیا نے کہا ۔

"لڑکیوں کو نہیں فلکا ــــــ" لڑکے دہاڑے ۔ کیونکہ فلکا کی دریا دلی سے سب واقف تھے ۔

"کیوں نہیں ؟ اگر زینیا یہاں آئے تو سب سے بڑا ٹکڑا ملے گا ــــــ" فلکا نے جواب دیا ۔

زینیا فوراً قریب جا پہنچی ۔ فلکا نے جیب سے ایک کاغذ کی تھیلی نکال کر زینیا کے ہاتھ میں دے دی ۔

"اتنا بہت سا؟" زینیا نے کہا اور کاغذ کھولا تو اندر سے ایک چھوٹا سا چوہے کا بچہ نمودار ہوا۔ چیخ مار کر زینیا نے چوہے کا بچہ زمین پر گرا دیا۔ باقی لڑکیاں بھی تتر بتر ہوگئیں۔ چوہا برف پر بیٹھا کانپتا رہا۔

"کیا کرتے ہو ۔۔۔ ٹھٹھر کر مرجائے گا بے چارہ ۔۔۔" تانیا نے غصے سے کہا اور چوہے کو اٹھا کر اس پر گرم گرم پھونکیں مارنے لگی۔ اور اسے اپنے کوٹ کے کالر کے اندر چھپا لیا۔ اتنے میں ایک اجنبی جسے کسی نے آج تک اس شہر میں نہ دیکھا تھا بچوں کی طرف بڑھا اس نے لومڑی کی کھال کی سائبرین ٹوپی اور سمور کا بھاری کوٹ پہن رکھا تھا لیکن بچوں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے جوتے بہت تنگ اور سرد موسم کے لئے نامناسب تھے۔

"پردیسی ہے ۔۔۔" فلکا اور دوسرے لڑکوں نے آپس میں کہا وہ ان کی طرف بڑھا اور ایک چھوٹی سی پھرتیلی لڑکی نے اس کا کوٹ پکڑ کر پوچھا۔ "آپ انسپکٹر ہیں؟"

آدمی نے جواب نہیں دیا اور تانیا کے قریب جا کر بولا ۔۔۔ "بچو ۔۔۔ ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہاں ملاقات ہوسکتی ہے؟" سب پیچھے ہٹ گئے کیا بھروسہ شاید یہ حضرت انسپکٹر ہی نکلیں!

"بتاؤ بھئی ۔۔۔ اچپ کیوں ہو؟" آدمی نے پوچھا۔ اور پھر تانیا کو مخاطب کیا۔ "بی بی تم ہی مجھے ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر تک پہنچا دو ۔۔۔"

تانیا نے یہ سمجھ کر کہ وہ کسی اور سے بات کر رہا ہے۔ چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"میں تم ہی سے بات کر رہا ہوں ـــــ چوہا سنبھالے، بھوری آنکھوں والی لڑکی سے ـــ!"

تانیا نے رال زور زور سے چباتے ہوئے آنکھیں پھیلا کر اجنبی کو دیکھا کوٹ کی گرمی سے تازہ دم ہو کر چوہے کا بچہ اب تانیا کے کندھے کے اوپر سے جھانک رہا تھا۔ اجنبی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ رال تھوک کر تانیا آدمی کے آگے آگے برساتی کی طرف چل پڑی۔

"یہ کون صاحب ہیں ـــــ؟" ایک نے کہا۔

"ولاڈی دوسٹوک سے انسپکٹر صاحب آئے ہیں" دوسرے نے جواب دیا۔

"نہیں قومی ہیرو ہیں، قومی ہیرو۔ قسم سے ہیرو کا تمغہ اس کے سینے پر لگا تھا ـــ میں نے خود دیکھا" فلکا نے مرعوب آواز میں کہا۔

۱۳

بچوں کی امیدوں کے برخلاف یہ اجنبی، ایک ادیب نکلا۔ خدا جانے کیوں وہ ایسے کڑکڑاتے جاڑوں میں نمدے کے جوتوں بغیر اس ٹھنڈے برف شہر میں آنکلا تھا۔ کانوں اور قدرتی خزانوں کی تلاش کرنے والے لوگ جس طرح کے ادھوڑی جوتے پہنتے ہیں ان ادیب صاحب کے جوتے تو ان سے بھی گئے گزرے تھے ـــ! معمولی سرمئی کینوس کے جوتے! ! ـــ لیکن ان کا اُوور کوٹ بہت لمبا اور گرم تھا۔ ٹوپی بھی گرم تھی اس لباس میں یہ صاحب فرنیٹر گارڈز کلب

میں بھی نظر آتے تھے۔ کہتے ہیں یہ ادیب صاحب اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ اور اسی اسکول میں پڑھا بھی۔ شاید وہ اپنے لڑکپن کی یادیں جگانا چاہتے تھے۔ یہ ٹھنڈی سخ ہوائیں اور ان کی پلکوں پر پڑی بھربھری برف ان کے بچپن کی یادگار تھی۔ دریا بھی بچپن کا ساتھی تھا۔ اور قدرتی طور پر وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کیسے کیسے درخت اور جھاڑیاں اس کے کنارے پر اُگ آئے ہیں یا شاید اپنی شہرت اور مقبولیت سے اکتا کر اور تھک کر اُن تیز نگاہ بڑی بڑی چڑیوں کی مانند جو بہت اونچا اڑنے کے بعد اچانک دریا کے کنارے صنوبروں پر آگرتی ہیں، یہ صاحب بھی سکون اور آرام کے خواہش مند تھے۔ لیکن تانیا کا خیال مختلف تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گویا صاحب گورکی نہیں تھے۔ مگر سچ مچ کے ادیب ضرور تھے جو اس دور دراز شہر میں اس لئے آئے تھے کہ تانیا ان کو دیکھ سکے اور ان کو جان سکے۔ یہ صاحب بوڑھے نہیں تھے مگر ان کی کنپٹی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ ان کی آواز بہت اونچی اور تیز تھی۔ تانیا کو ڈر لگ رہا تھا کہ یہ صاحب کہیں اس سے یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ آیا اسے لشکن پسند ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ خود ان کی کتابیں اس نے پڑھی ہیں یا نہیں۔ لیکن انھوں نے صرف اتنا ہی کہا: "شکریہ بی بی! اور ہاں تم اس چوہے کا کیا کروگی؟"

یہ ادیب صاحب بے حد معمولی قسم کی باتیں کر رہے تھے مگر ان کی وجہ سے معاملات بے حد الجھ گئے۔ ان کے آنے سے قبل "ادبی حلقے" کے جلسوں میں جن کی صدارت الگزنڈرا الیوانووا کرتی تھیں کتنا مزا آتا تھا ـــ پانیرز کے کمرے کی لمبی میز کے کنارے سب بیٹھ جاتے اور الگزنڈرا الیوانووا آرام کرسی پر بیٹھی ایک

ایسی مختلف ہستی معلوم ہوتیں جن کو کوئی ان دیکھا جہاز کسی انوکھے دیس سے وہاں لے آیا ہو۔ اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر ان پر اپنی ٹھوڑی رکھتے ہوئے وہ پڑھتیں۔

"پیلے کھیت ہوا میں گم سُم۔
جاگتا جنگل جس کی روپہلی آواز سے سنا ہے۔"

پھر ٹھٹھک کر کچھ سوچتے ہوئے کہتیں ـــــ

"نہیں آج ایک اور نظم سنو ـــــ
"میرے ہونٹوں سے لگ کر اس نے۔
کاہلی اور چالاکی کی دوست۔ یعنی میری پاپی زبان ـــ باہر کھینچ لی ـــ

بچو! کاش میں تمھیں سمجھا سکتی۔ شاعر اپنے الفاظ سے جادو جگا سکتا ہے۔"

لیکن فلکا کی سمجھ میں ایسی باتیں نہ آتی تھیں۔ وہ اپنی زبان باہر کھینچ لینا چاہتا تھا جو خوامخواہ اس کے دانتوں سے ٹکراتی تھی اور کھانے کی جو چیز بھی اس کے منہ میں پہنچ جاتی اسے چبانے میں مدد کرتی تھی لیکن جو شاعری ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔

یہ نہیں کہ فلکا بالکل ہی کودن تھا۔ مثلاً وہ لکڑ والے چلتی خوانچہ فروش کی نقل خوب اتار سکتا تھا جس پر بچے خوب قہقہے لگاتے ـــ ادبی حلقے میں زلیا سرحد کے بہادر رکھوالوں کے متعلق اپنی نظم سناتی اور تانیا اپنی لکھی ہوئی کہانی پڑھتی کولیا جو خراب اور معمولی چیزیں لکھنے کے ڈر سے خود کبھی کچھ نہ لکھتا تھا بڑا بے رحم نقاد تھا اور بے لاگ تنقید کرتا تھا۔ لیکن جب تانیا نے ایک پرانے اوورکوٹ کی آستین کے اندر رہنے والے ایک چوہے کے بچہ کے متعلق ایک افسانہ

پڑھا تو کولیا بھی چپ رہا ـــــ

"ایک اوور کوٹ جو مدت سے کسی گودام میں بند تھا۔ گودام سے نکال کر باہر لایا گیا۔ اس کوٹ کی آستین میں ایک ننھے چوہے نے اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ چوہے نے برف پہلی بار دیکھی وہ برف کو شکر سمجھا "لوگوں کو شرم آنی چاہیئے کہ وہ شکر کو پاؤں تلے روندھتے ہیں" چوہے نے سوچا اور آستین سے باہر کود آیا۔ بچارہ چوہا اتنی سردی میں کیسے زندہ رہے گا ـــ؟

کولیا کی خاموشی کو اپنی کہانی کی تعریف تصور کرکے تانیا کو خوشی کے مارے رات بھر نیند نہ آئی۔ لیکن صبح اٹھ کر اس نے کہانی پھاڑ کر پھینک دی۔ اس بدتمیز لڑکے نے میری کہانی پر تنقید نہیں کی اسی لئے میں اتنی خوش ہوئی۔ یہ کیا حماقت ہے؟ اس نے سوچا۔

مگر جب ادیب صاحب تشریف لائے تو حالات بدل گئے اور نئے مسائل اور نئی فکروں نے جنم لیا ـــ!

مثال کے طور پر ـــ ادیب صاحب کو دینے کے لئے پھول کہاں سے آئیں ـــ؟ ساری زمین تو برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ دلدل کے معمولی پھول اور جنگل کے عام پودے تک مرجھا گئے تھے۔

یہ بڑا کٹھن مسئلہ تھا۔ تانیا کے باغ میں بھی پھول ختم ہو چکے تھے۔ زینیا جو بڑی عمل پسند ہستی تھی بولی ـــ "ہمارے گھر کے گملوں میں "ٹم کی ٹوپیاں" کھل گئی ہیں"

"اور ہمارے پاس چینی گلاب بھی ہیں ـــ" چند اور لڑکیوں نے کہا۔

"اور ہم ـــــ" فلکا نے کہنا شروع کیا مگر اسے یاد آیا کہ اس کے مکان کی ملکہ پھولوں سے بے نیاز تھی۔ پھولوں کے بجائے اس نے ایک عدد سؤرنی پال رکھی تھی اور فلکا کے کتے اس سؤرنی کا بھرتہ بنانے پر تلے رہتے تھے۔

آخر سب نے مل جل کر ایک بڑا سا گلدستہ تیار کر ہی لیا۔ اب انھیں یہ طے کرنا تھا کہ لوگوں سے بھرے اور چالیس قمقموں سے جگمگاتے اسکول ہال کی اسٹیج پر جا کر اس عظیم ہستی سے ہاتھ ملا کر اور ـــــ "نوجوان پائینرز کی طرف سے" ـــــ کہہ کر یہ گلدستہ ادیب کو کون دے گا؟

"تانیا ـــــ تانیا ـــــ" فلکا چلّایا۔

"نہیں زینیا ـــــ اس لئے کہ گلدستہ پیش کرنے کی تجویز زینیا ہی نے رکھی تھی۔" لڑکیاں چلائیں۔

لڑکیوں کی بات ٹھیک تو تھی مگر کولیا کے علاوہ سارے لڑکے زینیا کے خلاف تھے۔ اور جب تانیا کو چنا گیا تو کولیا نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے اور کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس کی طرف ہے۔ چنانچہ الگزنڈرا الودا نے تانیا کو گلدستہ دیا۔ تانیا پھول اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ گویا اس کے سارے دکھوں کا صلہ مل گیا! وہ اس مشہور آدمی سے ہاتھ ملا کر اسے گلدستہ پیش کرے گی۔ اور برسوں بعد۔ پانچ برس بعد وہ اپنے دوستوں سے کہہ سکے گی کہ اس نے بھی دنیا دیکھی ہے! وہ خوشی سے مسکرا اٹھی۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اس نے زینیا کی حاسد نگاہوں کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"تانیا کو آخر کیوں چنا گیا؟ مجھے اپنی پرواہ نہیں مگر کولیا، تانیا سے کہیں زیادہ

ذہین ہے۔ اسے لینا چاہیئے تھا۔ مگر لڑکوں کو تولیس تانیا ہی چاہیئے۔ اس کی آنکھیں خوبصورت ہیں ـــــ اس لئے نا ـــــ ادیب صاحب نے بھی اس کی آنکھوں کی تعریف کی تھی" زینیا نے اپنے دوستوں سے کہا۔

"انھوں نے تو صرف "بھوری آنکھوں والی لڑکی" ہی کہا تھا ـــــ مگر تم ٹھیک کہتی ہو زینیا۔ تانیا کی آنکھیں واقعی خوبصورت ہیں۔ تم خود سوچتی ہوگی کہ کاش ایسی آنکھیں تمھاری بھی ہوتیں!" کو لیلا نے جواب دیا۔

"میری ـــــ؟ ہرگز نہیں ـــــ!" زینیا بگڑ کر بولی۔

یہ مکالمہ تانیا کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اسے لگا جیسے گلدستہ پتھر کی طرح وزنی ہوگیا ہے اور وہ تیزی سے دوڑنے لگی۔ کلاس کے کمروں اور بڑے ہال کے برابر سے گذرتے ہوئے جہاں کرسیاں کھینچی جارہی تھیں اور لوگ آ آکر بیٹھ رہے تھے، تیزی سے زینہ اتر کر وہ اندھیرے اور خالی کلوک روم میں پہنچی اور ذرا رک کر اپنی سانس ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔ ایسے صاف حسد سے آج تک اس کا سابقہ نہ پڑا تھا۔ اور وہ اس کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔

"کیا جو کچھ زینیا میرے بارے میں کہہ رہی تھی صحیح ہے؟ اس صورت میں مجھے نوجوان پائنیر کہلانے کا حق نہیں۔ اس قسم کی باتیں سننے سے بہتر یہ ہے کہ ادیب صاحب کو یہ گلدستہ میں پیش نہ کروں" ـــــ اس نے سوچا اور اس کی ٹانگیں کانپتی سی لگیں۔ "نہیں سب بکواس ہے۔ جو کچھ زینیا کہہ رہی تھی سب غلط ہے ـــــ لیکن اپنی آنکھوں پر ایک نظر ڈالنا بھی ضروری ہے"۔ اس وقت جنگل کے تنہا کنج کی طرح کلوک روم بھی تاریک اور سنسان پڑا تھا کلوک روم کی سفید دیوار کے قریب اور

آبنوسی اسٹینڈ پر قدرے جھکے ہوئے آئینے کے سامنے سے جب اچھلتے کودتے بچے گذرتے تو ان کے ہلکے پھلکے عکس آئینے میں تیرتے ہوئے بادلوں کی طرح نظر آنے لگتے تھے۔ لیکن اس وقت یہ آئینہ ساکت تھا۔ چوکیدار کی دھوئی مانجھی دوائیں اس کے اسٹینڈ پر ایک قطار میں رکھی تھیں۔ روشنائی کی ایک چھوٹی بوتل، ایک بڑی بوتل اور ایک بڑے سے فلاسک میں بھری ہوئی روشنائی بھی فرش پر رکھی ہوئی تھی۔ تانیا نے احتیاط سے فلاسک کا چکمہ کاٹتا اور آئینے کے سامنے گئی اور یہ اطمینان کر کے کہ چوکیدار آس پاس کہیں موجود نہیں ہے اس نے اپنی کہنیاں اسٹینڈ پر ٹکا دیں اور اپنا چہرہ آئینہ کے قریب کر دیا۔

اندھیرے میں گھری آئینے کی گہرائیوں میں سے تانیا کی بھوری آنکھوں نے جو اس کی ماں کی آنکھوں سے مشابہ تھیں ـــــــ دیکھا ستارے جیسی جھلملاتی بڑی بڑی آنکھوں کی اتھاہ گہرائی میں ہلکی پھلکی پرچھائیاں سی کھیل رہی تھیں۔

جس طرح جنگل کا کوئی جانور پہلی بار پانی میں اپنا عکس دیکھتا ہے اسی طرح تانیا بغیر ہلے جلے، چند لمحوں تک بھونچکی کھڑی رہی۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔ یہ آنکھیں تو بے حد معمولی، عام قسم کی آنکھیں تھیں۔ مایوسی سے پیچھے ہٹ کر تانیا سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اور فوراً ہی گویا اس کی حرکت کی نقل اتارتے ہوئے آئینہ اپنے اسٹینڈ پر ہلا اور تانیا کی آنکھوں کا عکس گویا دوبارہ تانیا پر دے مارا۔ روشنائی کی بوتل آگے جھکی اور خالی دواتوں سے ٹکرا کر لڑھکنے لگی۔ تانیا نے بچتی ہوئی لڑھکتی ہی تانیا نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ آٹھ ٹانگوں والے سمندری کیڑے کی مانند لڑھکتی، بل کھاتی اور سیاہی اگلتی اس کے ہاتھ سے پھسل کر اس طرح فرش پر

آگمری جیسے مٹی کا تودہ ساحل سے ٹوٹ کر چھپاک سے ندی میں گر جاتا ہے۔

ایک ایسی حرکت جو لڑکیوں سے زندگی میں صرف ایک بار ہی سرزد ہوتی ہے۔ تانیا سے بھی سرزد ہوئی ـــــ اس نے روشنائی چھلکا دی تھی! اپنا بایاں ہاتھ جس نے گلدستہ سنبھال رکھا تھا، اٹھاکر تانیا نے ایک جست بھری۔ چینی گلابوں کی پنکھڑیوں پر روشنی کی سیاہ بوندیں چمک اٹھیں۔ خیر پنکھڑیاں تو توڑ کر الگ کی جا سکتی تھیں۔ مگر اس کا دوسرا ہاتھ! گھبرا کر اس نے ہتھیلی کو الٹا پلٹا ـــــ کلائی سمیت سارا ہاتھ کالا سیاہ ہو چکا تھا!

"کمال ہے ـــــ!" یہ الفاظ اس کے کانوں میں اس طرح گونجے گویا اس نے خود ہی ادا کئے ہوں۔ اس نے سر اٹھایا۔ کولیا کھڑا اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا!

"کمال ہے ـــــ اب تم اتنے بڑے آدمی سے ہاتھ کیسے ملا سکو گی ـــــ وہ استانیوں کے کمرے میں پہنچ چکے ہیں۔ سب لوگ تمہارے منتظر ہیں۔ الگزنڈرا ایوانووا نے مجھے تم کو بلانے کے لئے بھیجا ہے۔"

تانیا کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اب کیا ہو؟ گلدستہ کولیا کو دے کر وہ کہنا چاہتی تھی کہ :۔

"زینیا سے کہو وہی پھول پیش کر دے۔ اس کا حافظہ بھی بہت اچھا ہے۔"

لیکن وہ رک گئی۔ اس نے سوچا کولیا تو یہی چاہتا ہے۔ وہ فوراً گلدستہ لے لے گا اور بعد میں زینیا کے ساتھ مل کر اس کا مذاق اڑائے گا۔ کولیا کی بات کا جواب دیئے بغیر وہ تیزی سے پلٹی اور بچوں کے اوورکوٹوں کی قطاروں کے درمیان سے دوڑنے لگی اور ایسا لگا جیسے یہ کوٹ اس کی تیز رفتاری کے خاموش گواہ ہوں۔ غسل خانے

میں جاکر اس نے خوب رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھوئے مٹی بھی رگڑی مگر سیاہی جوں کی توں موجود!
مجھے پتہ ہے کولیا سب کو یہ واقعہ بتا دے گا۔ سب لڑکوں کو۔ الگزنڈرا الیو النووا کو اور
زینیا کو ——— اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اسٹیج پر جاکر اس مشہور مصنّف اور
مخصوص مہمان کو نہ تو پھول پیش کر سکے گی نہ ہاتھ ملا سکے گی۔

اسے پھولوں سے کتنا عشق تھا مگر ان پھولوں ہی کے سلسلے میں اسے کیسے کیسے
حادثے پیش آئے تھے! ———

ایک گلدستہ اس نے ایک بیمار لڑکے کو پیش کیا تھا۔ اور وہ بیمار لڑکا کولیا
نکلا! ——— جو ہرگز ان پھولوں کا مستحق نہ تھا۔ اور اب یہ گملوں میں اگے ہوئے
نازک شگوفے ——— !! اگر کسی اور لڑکی کو یہ موقع ملتا تو نہ جانے کیا کیا خوشگوار
باتیں ظہور میں آتیں۔ مگر تانیا کو تو اب اس گلدستے سے ہاتھ دھونا ہی پڑیں
گے۔ ہاتھوں سے پانی جھٹک کر اور پونچھے بغیر وہ کلوک روم سے آہستہ آہستہ
باہر نکلی۔ اب جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی! زینہ چڑھ کر وہ گیلری میں دھیرے
دھیرے چلنے لگی۔ اور اپنے ہمدرد درخت کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے کھڑکیوں
سے باہر نظر ڈالی ——— مگر درخت نظر نہ آیا کیونکہ وہ تو عمارت کی دوسری طرف
کھڑا تھا۔ کھڑکی سے نظر ہٹائی تو گیلری کے سرے پر اسے مہمان مصنّف کھڑے
نظر آئے۔ انھوں نے اوورکوٹ اتار دیا تھا۔ وہ کوہ قاف کے علاقے میں پہنے
جانے والی اونچے کالروں کی قمیض میں ملبوس تھے جو کمر پر ایک پتلی سی روپہلی
رسّی سے بندھی تھی۔ ان کے چاندی جیسے بال اور چاندی کی رسّی ایک ساتھ
چمک رہے تھے اور قمیص پر اتنے بہت سے بٹن لگے تھے کہ تانیا ان کو گن بھی نہ سکتی

تھی ۔ تانیا کی طرف ان کی پیٹھ تھی اور وہ تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے اس وجہ سے ان کے اور تانیا کے درمیان کا فاصلہ زیادہ ہوتا گیا ۔ اگلے لمحے وہ موڑ پر پہنچ کر ٹیچرز روم میں داخل ہو جائیں گے اور وہ ہمیشہ کے لئے انھیں کھو بیٹھے گی ۔ تانیا نے سوچا اور ——

کامریڈ ادیب —— " اس نے بے چینی سے آواز دی

وہ ٹھٹھکے اور تیر کی طرح گھوم کر تیوری پر بل ڈالے اور بازو ہلاتے یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھے کہ اس لڑکی نے ان کو کیوں پکارا ہے ۔ پھول پیش کرنا چاہتی ہے ؟ انھوں نے تانیا کے گلدستے پر نظر ڈالی ۔ وہ عقیدت کے پھول حاصل کرنے کے عادی ہو چکے تھے ۔

" کامریڈ ادیب —— بتلائیے —— آپ نرم دل انسان ہیں ؟ " تانیا نے سوال کیا ۔

ادیب نے جھک کر تانیا کو غور سے دیکھا " نہیں — نہیں — بتلائیے — آپ نرم دل ہیں ؟ " اس کی آواز میں ایسی التجا تھی جو ادیب کو گیلری کے خالی حصے تک اس کے پیچھے پیچھے کھینچ لائی ۔ " کامریڈ مصنف — آپ نرم دل ہیں نا ؟ " تانیا نے تیسری بار پوچھا ۔

ایسے سوال کا بھلا وہ کیا جواب دے سکتے تھے ۔ " یہ سوال کیوں کر رہی ہو بی بی ؟ " انھوں نے تعجب سے پوچھا ۔

" اگر آپ نرم دل آدمی ہیں تو مہربانی سے —— مہربانی سے اسٹیج پر مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے اپنا ہاتھ نہ بڑھائیے گا ؟ "

"کیوں ــــ؟ کیا تم نے کوئی شرارت کی ہے؟"

"جی نہیں ــــ آپ کی تقریر کے بعد مجھے آپ کو گلدستہ پیش کر کے نوجواں پائینیروں کی طرف سے شکریہ ادا کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے آپ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائیں گے لیکن دیکھیے ــــ" اس نے روشنائی سے کالا سیاہ اپنا ہاتھ آگے کیا۔

ادیب نے کھڑکی میں ٹک کر تانیا کو اپنی باہوں میں لیتے ہوئے زور کا قہقہہ لگایا۔ یہ زوردار گونجتا ہوا قہقہہ تانیا کو ان کی آواز سے بھی عجیب لگا۔ غالباً یہ بہت اچھے گویّے بھی ہیں۔ اس نے سوچا۔

"بہت خوب ــــ!" ادیب نے کہا اور اپنے مخصوص انداز میں بازو ہلاتے آگے بڑھ گئے۔

ماسکو سے لے کر یہاں تک کے سفر میں یہی ایک خوش گوار لمحہ آیا تھا جس کی وجہ سے ادیب صاحب کا موڈ بہت شگفتہ ہوگیا۔ بشاش اور مسکراتے ہوئے وہ اسٹیج پر آئے۔ کرسی کھینچ کر بچوں کے نزدیک بالکل کنارے پر کرسی اور بچوں کا شور کم ہونے کا انتظار کئے بغیر پڑھنا شروع کر دیا۔ تالیاں بجنی ختم ہوگئیں۔ تانیا اطمینان اور احسان مندی کے جذبوں سے گھری سامنے کی قطار میں بیٹھی تھی۔

ادیب صاحب ایک لڑکے کا قصہ پڑھ رہے تھے جو اپنے باپ سے رخصت ہو رہا تھا۔ الوداع کا یہ منظر بہت تکلیف دہ تھا کیوں کہ دونوں باپ بیٹے اپنا اپنا فرض ادا کرنے جا رہے تھے۔ ادیب صاحب کی آواز جو تانیا کو بہت اونچی معلوم ہوئی تھی۔ کہانی پڑھتے وقت بالکل بدل گئی۔ اس آواز میں بگل کی گونج تھی جو تانیا کو ستار کے تاروں کی جھنجھناہٹ سے بھی زیادہ اچھی لگی تھی۔

تالیوں کے شور میں ادیب نے کہانی ختم کی۔ لیکن تانیا نے تالی بجانے کے بجائے اپنا ہاتھ احتیاط سے سویٹر کی جیب میں چھپائے رکھا۔ پھول اس کی گود میں رکھے تھے اور وہ الگزنڈرا ایوانودا کے اشارے کی منتظر تھی ــ جب شور کم ہوا اور ادیب صاحب کتاب بند کرکے میز کے پاس سے ہٹ گئے تو الگزنڈرا ایوانودا نے سر خم کرکے تانیا کو اشارہ کیا۔ تانیا ہاتھ جیب میں دیئے لپک کر اسٹیج پر پہنچی اور معزز مہمان کی طرف تیزی سے بڑھی۔ پھر اس کے قدم دھیمے پڑھ گئے ــ ادیب صاحب نے سکون کے ساتھ اس کی چمکیلی نظروں سے نظریں ملائیں۔ شاید یہ اپنا وعدہ بھول چکے ہیں۔ اب کیا کروں؟ یہ سوچ کر تانیا کے چھکے چھوٹ گئے۔ "سارے پائنیرز اور اسکول کے بچوں کی طرف سے ــ" اس نے ہکلاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ لیکن ادیب صاحب وعدہ نہیں بھولے تھے۔ تانیا کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھے اور حاضرین کے درمیان کھڑے ہو کر گلدستہ اس سے لیا اور میز پر رکھ دیا۔ پھر اس کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اس کے ساتھ ساتھ اسٹیج سے اتر گئے اور جب تک بچوں نے انھیں گھیر نہیں لیا انھوں نے کسی کو تانیا کو ہاتھ تک نہ لگانے دیا۔

"آپ سچ مچ کے اصلی ادیب ہیں؟" ایک ننھی بچی نے بے خوفی سے آگے بڑھ کر سوال کیا۔

"بالکل ــــ!"

"میں نے پہلے تو کوئی ادیب نہیں دیکھا مگر آپ ادیب نہیں معلوم ہوتے ــــ!

"واقعی ؟"

"جی ___ اصلی ادیب بے حد موٹے ہوتے ہیں ___"

ادیب صاحب بچی کے سامنے جھک کر بچوں کے مجمع میں اس طرح نظروں سے اوجھل ہو گئے جیسے ابابیل جنگل کی اونچی گھاس کے اندر غائب ہو جائے۔ بچے ان کو چھو چھو کر انھیں کھینچ کھینچ کر بے طرح شور مچا رہے تھے۔ اپنی شہرت اس سے زیادہ پیاری ادیب صاحب کو پہلے کبھی نہ معلوم ہوئی تھی۔ ایک سکنڈ کے لئے انھوں نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

تانیا تقریباً ان کے کندھے سے لگی ان کے قریب کھڑی تھی۔ یکایک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کا جیب والا ہاتھ باہر کھینچ رہا ہے۔ وہ چلا کر پیچھے ہٹی ___ کولیا اپنی پوری طاقت سے اس کا ہاتھ کھینچ نکالنے کی کوشش میں مصروف تھا! تانیا نے کوہنی موڑ کر اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ ٹھنڈا پڑ گیا اور کولیا نے اسے جیب میں سے کھینچ نکالا۔ تانیا کا خیال تھا کہ وہ اس کی نمائش کرے گا۔ لیکن ___ اس کے بجائے کولیا نے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں زور سے دبایا۔ اور آہستہ سے کہا ___ "تانیا۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا تھا کہ لوگ تم پر ہنسیں گے۔ مگر تم نے کمال کر دیا۔ مجھ سے خفا مت ہو تانیا۔ میں نئے سال کی رات کو اسکول کے جشن میں تمہارے ساتھ ناچنا چاہتا ہوں۔"

اس وقت کولیا کے الفاظ اور لہجے میں غیر معمولی نرمی اور اپنائیت تھی۔ تانیا سے بات کرتے وقت ایک طرح کی تضحیک اور تمسخر کا جو انداز وہ اختیار

کر لیتا تھا، اس وقت اس کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس نے تانیا کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال دیا جیسے ناچ ابھی سے شروع ہو گیا ہو!

وہ شرما گئی اور گھبرا کر کولیا پر نظر ڈالی۔ ایک نرم سی مسکراہٹ نے اس کا چہرہ اور آنکھیں روشن کر دیں۔ اپنا ڈر اور دکھ بھول کر اس نے اپنا سیاہی سے پُتا نازک سا ہاتھ کولیا کے کندھے پر رکھ دیا۔ اتنے میں فلکا نے قریب آکر دونوں کو اپنی باہوں میں لے لیا۔ اس نے ان دونوں کو غور سے دیکھا اور اس کے بھولے بے فکر چہرے پر ایک طرح کی تلخی سی بکھر گئی۔

"تم لوگوں نے صلح کر لی ہے" اس نے زور سے کہا۔

تانیا نے اپنا ہاتھ کولیا کے کندھے سے ہٹا لیا۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو فلکا" تانیا نے شرم سے لال ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "کولیا نے صرف مجھ سے اتنا کہا ہے کہ کل کے ناچ میں میرا ساتھی بنے۔ پہلے میں نے انکار کر دیا تھا لیکن اب میں نے اپنا خیال تبدیل کر دیا ہے۔ کولیا اگر چاہے تو میرے ساتھ ناچ سکتا ہے۔"

"اچھا — بھئی یہ تمہارا جنم دن بھی تو ہے — جو تمہاری مرضی۔ میں اپنے ابا کو بلا لوں گا — وہ بھی آنا چاہتے ہیں۔" فلکا نے آہ بھر کر کہا۔

"ضرور — اور تم بھی ضرور آنا کولیا — آؤ گے نا؟"

تانیا نے کولیا کی آستین چھوتے ہوئے کہا مگر اسی لمحے فلکا ان دونوں کے بیچ سے باہر نکل کر آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے بچوں کی ایک پوری بھیڑ تھی۔ تانیا اور کولیا کا درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا گیا۔

۱۴

عام طور پر سال نو کی شام کو برف کے طوفان نہیں آتے تھے۔ آسمان کبھی صاف ہوتا کبھی دھندلا اور کبھی کسی تارے کی چمک کے ساتھ جھلملا اٹھتا۔ کہرے کے اوپر چاند آسمان کے آدھے حصے پر چکر کاٹتا اپنے راستے پر تیرتا رہتا۔ سال نو کی شام تانیا کو گرمیوں کی سب سے خوش گوار رات سے بھی زیادہ پسند تھی۔ اس روز اسے دیر تک جاگنے کی بھی اجازت تھی۔ گو اس کی اصل تاریخ پیدائش چند روز قبل پڑتی تھی مگر وہ سال نو کے ساتھ ہی اپنی سالگرہ مناتی تھی۔ سارا شہر رت جگا مناتا۔ سڑک کی پٹڑیوں پر سے برف صاف کر دی جاتی۔ لوگ دوست احباب سے ملنے جاتے۔ گیتوں کی آوازیں بلند ہوتیں اور برف پر جوتے چرمراتے۔

اس روز تانیا کی اماں کام پر نہیں جاتی تھیں اور تانیا اسکول سے لوٹتے ہی دروازے سے چلاتی ——"ٹھہر و ممو سے ابھی مت بنانا" اماں میدے میں ہاتھ سانے کمرے کے بیچ میں کھڑی ہوتیں۔ اور بازوؤں کو اس طرح اٹھا دیتیں جیسے وہ پر ہوں اور اماں ابھی اڑنے والی ہوں —— مگر دوبارہ دیکھو تو وہ وہیں زمین پر موجود ہوتیں! جھک کر تانیا کی پیشانی چومتے ہوئے وہ کہتیں۔ "سالگرہ مبارک ہو بچی —— خوب مزے کرو"

اپنی کتابیں الماری میں پھینک کر وہ جلدی سے بندکیوں والا فراک پہنتی۔ مگر یہ کام آسان نہ تھا کیوں کہ سال بھر میں وہ زیادہ بڑی ہو گئی ہوتی اور فراک

ایسا معلوم ہوتا جیسے موافق ہوا نے بادبان کو پھلا دیا ہو! اماں سر ہلا کر کہتیں ۔ "ارے تو تم تو سچ مچ بڑی ہو گئیں " اور اماں کے میدے سے سنے ہاتھوں کے باوجود وہ ان کو باہوں میں ذرا سا اٹھا کر کمرے کی دوسری طرف لے جاتی ۔

"ارے ارے کیا کرتی ہو ۔۔۔" اماں گھبرا کر چلاتیں ۔۔۔ "میں بہت بھاری ہوں ۔۔۔" مگر تانیا کے نزدیک اماں بھوسے کے گٹھے سے بھی زیادہ ہلکی پھلکی تھیں ۔ وہ ان کو گود سے اتار دیتی اور دونوں ذرا جھینپ کر دروازے پر کھڑی انا کو دیکھتیں ۔

" بادلی ہو تم دونوں ۔۔۔" انا فرماتیں ۔۔۔ "میدہ رکھا رکھا سخت ہو جائے گا "

اس کے بعد مزہ آتا ۔۔۔ تانیا سارا پکوان خود بناتی ۔ پوست کے سیاہ بیجوں میں سے ان کا سفید عرق نکالتی اور توشے خانے کے اندر باہر بھاگتی رہتی ۔ توشہ خانہ اتنا سرد تھا کہ اس میں رکھا ہوا کھانے پینے کا سارا سامان برف کی طرح جم گیا تھا ۔ پتھر کی طرح سخت گوشت کو آری سے کاٹنا پڑتا ۔ دودھ کی تختیاں تانیا چاقو سے اس طرح کاٹتی کہ اس کے ریشے سے بنتے چلے جاتے اور تانیا کے ہاتھ باریک رال جیسی گرد سے اٹ جاتے ۔ ڈبل روٹی اپنی سفیدی کی وجہ سے بوڑھی پھوسٹر معلوم ہوتی اور لگتا کہ گویا موت کے قریب پہنچ چکی ہے ۔ مگر تانیا کو معلوم تھا کہ توشہ خانے میں رکھی ہوئی کوئی چیز مرتی کبھی نہیں ۔ گوشت اور روٹی کو آگ دکھاتے ہی ان میں جان سی آجاتی ۔ گوشت نرم اور

تروتازہ ہو جاتا۔ دودھ میں جھاگ اٹھ آتے اور ڈبل روٹی کا پورا پورا سانس لینے لگتا!

گھر کا کام ختم کر کے برف پر پھسلنے والے تختوں پر سوار ہو کر تانیا جنگل کا رخ کرتی۔ ڈھلوان پر سے پھسلتی اس جگہ پر پہنچتی جہاں صرف فر کی چوٹیاں برف میں سے نظر آتی تھیں۔ وہ ہمیشہ فر کے کسی ایسے نوجوان پودے کو منتخب کرتی جس کے پتے دوسرے درختوں کے پتوں سے زیادہ گہرے نیلے ہوتے۔ اسے جڑ سے کاٹتی اور کندھے پر اٹھا کر گھر لے آتی۔ یہ پودا اتنا بڑا نہ ہوتا تھا کہ اسے فرش پر رکھا جائے۔ چنانچہ اسے ایک اسٹول پر سجا دیا جاتا۔ اس پر جمے ہوئے رال کے قطروں کو وہ بڑے شوق سے چباتی اور اس کی مہک دیر تک مکان میں بسی رہتی۔

درخت کو زیادہ سجایا نہیں جاتا تھا۔ اس کی نیلی پتیوں پر لپٹے سنہرے دھاگے موم بتیوں کی روشنی میں جھلملاتے۔ روپہلی ٹینک گاڑیاں اس کی ڈالیوں پر پھسلتیں اور چمکیلے ستارے پیراشوٹ کے ذریعے نیچے اترتے۔ بس یہی تھی ساری آرائش ——

پھر تانیا کے دوست آتے اور اماں گراموفون لگا دیتیں جو وہ ہسپتال سے لے آئی تھیں

کوئی وجہ نہیں کہ اس مرتبہ کا سال نو مختلف ثابت ہو —— اس کے ابا آ رہے تھے۔ اور شاید کولیا بھی —— مگر میں نے پھر اس کو دکھ پہنچایا ہے۔ شاید نہ آئے —— آخر میں نے ایسا کیا ہی کیوں؟

انسان بھی کیا عجیب شے ہے کہ فلکا جیسے احمق کے منہ سے نکلے ہوئے دو لفظوں نے کولیا کی ساری خوشی کافور کر دی۔ گرمجوشی کے ان الفاظ کا راستہ روک لیا جو کولیا کی دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے تھے۔ اور اس کا ہاتھ جو دوستی کے لئے آگے بڑھا تھا اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رک گیا۔

تانیا نے اپنے اس کندھے پر نظر ڈالی جس پر کولیا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ اس ہاتھ کا نشان موجود نہ تھا لیکن جب اس نے مڑ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ اماں اسے دیکھ رہی ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تانیا کے اسکول کی رپورٹ تھی۔ رپورٹ حسب معمول اچھی نہ تھی مگر اماں خاموش رہیں۔ اور درد مندی کے ساتھ اس ننھی سی ہستی کو دیکھا کیں جسے کبھی انھوں نے اپنے گھٹنوں پر جھلایا تھا۔

اماں نے سیاہ ریشمین لباس پہن رکھا تھا اور ان کے سیدھے بالوں کا بھاری سا جوڑا ان کی گردن کے پیچھے چمک رہا تھا۔ اماں دنیا کی حسین ترین عورت ہیں۔ ابا کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟

اماں کے فراک پر روئی کے ٹکڑے چپک گئے تھے جنھیں وہ پھونک مار کر اڑا رہی تھیں۔

"ابا آتے ہوں گے —" تانیا نے کہا۔

"ہاں — میں نے نادیا کو بھی بلایا ہے۔"

"کاش نادیا نہ آتیں۔" تانیا نے بے ساختہ کہا۔

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔ ہمیں نادیا کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن کیوں آخر؟ بے وقوف لڑکی؟"

جواب دینے کے بجائے تانیا نے اماں کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر فر کے پودے کے گرد چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اس کا خیال تھا کہ بڑے لوگ بھی بچوں کی طرح اپنے خیالات چھپائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ دیر تک اماں کے ساتھ اسی طرح ناچتی رہی کہ اتنے میں برساتی میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"تمھارے ابا آ گئے" اماں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب بس کرو تانیا —"

تانیا ایک کونے میں جا چھپی — "کولیا آیا ہے!" اس نے زرد پڑتے ہوئے کہا۔

لیکن یہ اس کے پائینر دستے کی تین لڑکیاں تھیں۔ کہرے سے سرخ چہرے والی لڑکیوں نے چھوٹتے ہی پوچھا — "یہاں ناچ سیکھیں گے ہم لوگ —"

"بالکل — میں گراموفون لگاتی ہوں —" تانیا نے جواب دیا۔ اور سارا مکان موسیقی کی آواز سے گونج اٹھا۔ پھر تانیا کے ابا، نادیا کے ساتھ آئے اور تانیا کو بار بار لپٹا کر اسے مبارک باد دی۔ نادیا نے اسے سموری جوتوں اور موتیوں سے کڑھے ہلکے سموری کوٹ کا تحفہ دیا۔ لیکن کولیا نہیں آیا تھا۔

"کولیا کہاں ہے؟" اماں نے پوچھا۔

"ضدی لڑکا ہے۔ ہمارے ساتھ آنے سے انکار کر دیا۔ کہہ رہا تھا کہ تانیا کے لئے ایک خاص تحفہ لے کر الگ سے آئے گا" ابا نے جواب دیا۔

پھر فلکا اپنے خاندان کے ساتھ آیا۔ ابّا، امّاں اور تین چھوٹے بھائی جو کتّوں والی برف گاڑی میں شہر آئے تھے۔

سانولے چہروں والے تینوں ننھے تانیا کے سامنے کورنش بجالائے۔ پھر قرینے سے تہہ کئے ہوئے رومال اپنی جیبوں سے نکال کر اپنی ناکیں پونچھیں ان کے ابّا بڑے فخر سے ان کی یہ تمیز داریاں دیکھتے رہے اور ان کی امّاں بڑے اطمینان سے پائپ پینے میں مصروف رہیں۔ اس منے سے پائپ پر جڑی ہوئی تانبے کی کیلیں شمعوں کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

ان لڑکوں کو گود میں اٹھاکر سب ہی نے پیار کیا تانیا نے تو ان کو خوب خوب پیار کیا۔ اپنی ماں پہ بار بار نظریں ڈالتی رہی جو ساری شام نادیا کے ساتھ ساتھ رہیں۔ تانیا نے ان دونوں کو جدا کرنے کی کوششیں کیں۔ پہلے سموری کوٹ امّاں کو اٹھانے کے لئے دیا پھر سموری جوتے۔ جن کو پہننے میں امّاں کی مدد درکار تھی۔ لیکن ہر مرتبہ امّاں مسکراکر تانیا کا کندھا تھپکتیں اور پھر نادیا کے پاس بیٹھ کر بڑی دوستانہ بات چیت میں مشغول ہوجاتیں۔

مہمان اب موسیقی کے لئے شور مچارہے تھے۔ تانیا یہ سوچ کر گراموفون کے پاس گئی کہ کچھ دیر ہی کے لئے امّاں نادیا کی طرف سے پیٹھ موڑ سکیں۔

تانیا نے گراموفون میں کوک بھری اور ریکارڈ نے گھوم گھوم کر اس طرح بجنا شروع کیا جیسے مختلف سازوں کی کبھی منفرد اور کبھی مشترک آوازیں خوش دل پریوں کی طرح اس کی سوئی پر جمع ہوگئی ہوں۔

کولیا نہیں آیا۔ تانیا نے افسوس سے اپنے ہاتھ ملے۔ اس کے پیچھے فرکا

درخت اور چھت سے لٹکتے کاغذی لیمپ شیڈ قدموں کے دھماکے کی وجہ سے ہلکورے کھانے لگے۔ تانیا کے اَبّا بھی رقص میں شامل ہو گئے۔ وہ بے حد خوش تھے اور سب کو خوب ہنسا رہے تھے۔

"تانیا — دیکھو اپنے اَبّا کو دیکھو کتنی اچھی طرح ناچ رہے ہیں" اس کی ماں نے بار بار اس سے کہا۔

"ہاں امّاں — اَبّا بہت اچھا ناچتے ہیں —" تانیا نے جواب دیا اور اسے خیال آیا کہ اس کا باپ، اس کے باپ کا رقص اور یہ ساری تفریحیں اس کا دھیان بٹانے میں ناکام رہی تھیں۔ حالانکہ محض چند روز قبل اَبّا کا خیال آتے ہی اس کا دل محبت کے نرم اور تلخ جذبات سے بھر جاتا تھا۔ اور اب کولیا اس کے ذہن پر براجمان تھا۔ !آخر وہ گیا کہاں؟ زینیا کے گھر؟ آج وہاں بھی تو سالِ نو کی پارٹی ہو رہی تھی۔

اسی وقت فلکا اور اس کے بھائیوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ ایک حلقے میں گھوم رہے تھے۔ یہ ایوِنک لوگوں کا پسندیدہ رقص تھا جسے وہ دریائے ٹوکو کے ساحلوں پر چاندنی رات میں ناچتے تھے۔

ان کی فرمائش پر تانیا بھی ان کے ناچ میں شامل ہوئی۔ لیکن بار بار دروازے کو دیکھتی رہی۔

"بہت خوب تانیا اپنی ماں سے کہو تھوڑی سی انگور کی شراب تم لوگوں کو دیں —" تانیا کے باپ نے خوش ہو کر کہا" دیوانے ہوئے ہو — تم کو پتہ ہے بچے شراب نہیں پی سکتے —" امّاں نے جواب دیا۔

"ہلکی سی شراب میں کوئی حرج نہیں" ابّا نے کہا۔

"ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہے ـــــ" بچے چلائے ـــ

انّا میٹھی شراب کی بوتل ایک ٹرے میں رکھ کر لائیں۔ اور سرخ فوج کا ایک سپاہی، فرولوف بھیڑ کی کھال کا کوٹ پہنے بالٹی اٹھائے انّا کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا۔ اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔

"فرولوف ـــ استاد ـــ ذرا بچوں کو دکھاؤ تو سہی ہم ان کے لئے کیا تحفہ لائے ہیں" ابّا نے کہا۔

بچے دوڑ کر بالٹی کے پاس گئے مگر مایوس ہو کر پیچھے ہٹے۔ "بالٹی میں تو برف ہی برف بھری ہوئی ہے"

"صبر! ـــ بچو صبر!" فرولوف نے کہا اور بالٹی میں ہاتھ ڈال کر برف کے نیچے سے سنترے نکالنے لگا۔ بچے بالٹی کی طرف پھر دوڑے مگر سنتروں کو چھوتے ہی فوراً چھوڑ دیا۔ سنترے اس لوہے کی طرح ٹھنڈے اور سخت تھے جیسے بہت دیر تک کہرہ میں رکھا گیا ہو۔

"ٹھہرو بچو ـــ ان سنتروں کو پہلے پگھلانا پڑے گا" ابّا نے کہا۔ ایک سنترہ ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا۔ فوراً ہی اس پر برف کی باریک سطح جم گئی اور سنترہ فر کے درخت سے لٹکے کانچ کے گولوں کی طرح چمکنے لگا۔ ابّا نے چاقو سے برف کو توڑا اور تر و تازہ سنترہ اندر سے نمودار ہو گیا! اس شمالی علاقے میں سنترے کی مہک اور رنگ بہت انوکھے معلوم ہو رہے تھے۔ جب فلکا کے سب سے چھوٹے بھائی کو پورا سنترہ دیا گیا تو وہ ذرا ڈر کر اسے دیکھتا رہا اور فلکا

اسے لے کر اپنے باپ کے پاس پہنچا۔

"تم ہی کھاؤ اسے ۔" اس انوکھے پھل کو تعجب کے بغیر دیکھتے ہوئے شکاری نے جواب دیا۔ "تمھارے دوستوں نے تمھیں یہ پھل دیا ہے ۔ نقصان نہیں کرے گا ۔ اگر یہ ذرا چھوٹا ہوتا تو میں تو اسے گوندنی کا پھل سمجھتا۔ گوندنی کے پھل سے میں اپنا پایپ چمکاتا ۔" پھر ذرا وقار سے اس نے کہا۔ "ہمارے رو دان میں گوندنی کے پھل کافی بڑے ہوتے ہیں ۔"

اس نے سنترہ اپنے سامنے سے ہٹا دیا ۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ اور وہ ایسے پھل پسند نہیں کرتا تھا جو خود اس کے اپنے وطن کے جنگل میں نہ پیدا ہوتے ہوں۔

فلکا نے سنترہ اپنی صدری میں ٹھونس لیا ۔ وہ جنگل کی میٹھی جڑی بوٹیوں، لیموں کے تنے کے رس، جنگلی شہد اور "چیونٹیوں کے رس" کی طرح اس سنترے میں بھی تانیا کو شریک کرنا چاہتا تھا۔

لیکن تانیا غائب تھی ۔ کہاں گئی آخر؟ فلکا نے دوسرے کمرے میں جھانکا ۔ جس میں ایک پلنگ پر اوورکوٹوں کا ڈھیر لگا تھا ۔ باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے اس نے دیکھا کہ تانیا بڑے کمرے میں تھی ۔ اس نے اپنا سموری کوٹ پہن لیا تھا، سموری جوتوں کے تسمے کس چکی تھی ۔ اور اب آہستہ قدموں سے صدر دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی ۔ فلکا اس کے پیچھے پیچھے رہا ۔ تاکہ کوئی تانیا کو دیکھ نہ لے ۔ وہ برساتی میں گئی جس کے باہر ہوا ستونوں کی طرح اوپر اٹھ کر نیلے بادلوں میں تبدیل ہو رہی تھی جو روشن آسمان پر جا کر

بکھر رہے تھے - ان بادلوں کے درمیان سے ٹھنڈا نم چاند اس طرح مدھم مدھم چمک رہا تھا جیسے کہر آلود شیشے کے پیچھے سے جھانکتا ہو۔ بڑی احتیاط سے تانیا برف پر چلنے لگی - چمکیلے کہرے میں اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ پھر پھاٹک سے نکل کر وہ تیزی سے زینیا کے مکان کی طرف دوڑی جس کے چاروں طرف برف کے تودے جم گئے تھے۔ کھڑکی کے اندر جھانکنے کے خیال سے جھینپ کر وہ برف پر اکڑوں بیٹھ گئی - پھر کھڑی ہو کر اس نے اندر نظر ڈالی - اندر سے چھنتی ہوئی موم بتیوں کی روشنی بھی چاندنی کی طرح دھندلی اور بیر فیلی تھی - بچوں کی پرچھائیاں فر کے درخت کے چاروں طرف گھوم رہی تھیں - اور تانیا کو ایسا لگا جیسے ہر پرچھائیں اکولیا ہی کی پرچھائیں ہو -

تانیا کا چہرہ پلے میں تمتما رہا تھا۔ مگر وہ اسی طرح کھڑی رہی اور کسی دریائی بادشاہت کے اندر ڈولتی پرچھائیوں کی مانند سائے اسی طرح ڈولتے رہے - صرف ایک سایہ اپنی جگہ موجود تھا ــــ ایک بڑی سی مچھلی کا سایہ جو دوسری مچھلیوں سے زیادہ بھاری بھر کم تھی - مگر وہ دُم ہلاتی اوپر نیچے ــــ اوپر نیچے لہراتی رہی اور پھر اچانک ٹھٹھک گئی - اس کے منہ سے نکلتے بلبلے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ یہ کیا شے ہے؟ تانیا نے بدحواس ہو کر سوچا - مگر پھر اسے یاد آگیا کہ زینیا اپنی سنہری مچھلیوں کا مرتبان کھڑکی میں رکھتی ہے -

انتے میں دو ہاتھ آگے بڑھے اور مرتبان وہاں سے غائب ہو گیا - اور سارا جادو کا منظر ختم! کسی کی پیٹھ نے کھڑکی میں اندھیرا کر دیا - پھر کہیں قریب ہی زور سے دروازہ بند ہوا - تانیا جلدی سے وہاں سے کھسک گئی اور تازہ برف

اور جمی ہوئی برف پر سے کودتی پھاندتی وہاں سے بھاگ نکلی۔ بلا مقصد بھاگتے بھاگتے اور سڑکوں کے چکر لگاتے لگاتے آخر کار اس کا جوش ٹھنڈا پڑا۔ اور محض ایک گہرا دکھ باقی رہا جس نے اس کی ساری ہستی کو گھیر لیا۔ کچھ دیر بعد اپنے باغیچے میں واپس جا کر وہ جنگلے کے پاس کھڑی رہی اور اندر جاتے ہوئے ہچکچا کر برچ کے درخت کے پیچھے چھپ گئی۔

مجھے کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہو گیا ہے؟ یہ سب کیا ہے؟ اس نے خود سے پوچھا۔ درخت خاموش رہے صنوبر کی بوڑھی شاخوں میں سرد ہوا بے دلی سے سرسرایا کی۔ فلکا نے برساتی میں آ کر آہستہ سے پکارا۔ لیکن وہ چپ رہی۔ وہ اندر واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد تانیا نے بھی مکان میں داخل ہونے کی ہمت کی

بچے اس کے ابا کے گرد گھیرا ڈالے ناچ میں مصروف تھے اور کولیا ایک کرسی پر چڑھا فر کے درخت میں سے جلی ہوئی موم بتیاں نکال نکال کر نئی موم بتیاں لگا رہا تھا۔ تانیا ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے گھٹنے کانپنے لگے۔ اس کے بال پانی میں بھیگ چکے تھے اور کپڑوں پر برف پڑی تھی۔

"تم کہاں تھیں تانیا؟" ابا نے پوچھا۔

"باہر ذرا تازہ ہوا کھانے گئی تھی۔ یہاں تو چکر سا آنے لگا تھا۔"

"جا کر میرے پلنگ پر ذرا دیر کو لیٹ کیوں نہیں جاتیں؟" اماں نے کہا۔

کولیا کرسی سے نیچے کود کر تانیا کی طرف آیا اور بولا۔

"ٹھہرو — میں تم کو اپنا تحفہ دکھاؤں - میں نے اسے اپنے ایک واقف کار چینی سے خریدا ہے ' بڑی دور جانا پڑا اس کے لیئے "

جنگل کے سرخ ہیروں سے بھی زیادہ سرخ - لمبے لمبے کینچوؤں کا ایک ڈھیر کولیا نے چولہے کے کنارے رکھ دیا - پھر اس نے ایک متاسا مرتبان دکھایا جس میں ایک سنہری مچھلی تیر رہی تھی - یہ خاصی بڑی مچھلی تھی - اس کی دم بھی کافی لمبی تھی - مچھلی کی جسامت کے مقابلے میں مرتبان بہت چھوٹا تھا - اس لئے بار بار اس کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی - پانی کی سطح پر ہری بیلیں تیر رہی تھیں -

"تم کو اتنی زحمت نہیں اٹھانی چاہیئے تھی — میں زینیا تو ہوں نہیں جو مچھلی کا مرتبان کھڑکی میں سجاؤں - ہم تو اس مچھلی کو تلیں گے "

کولیا کی تیوری پر بل پڑ گئے اور اس کی آنکھیں سیاہ اور پُر اسرار بن گئیں - ایسا لگتا تھا جیسے اس نے تانیا کے الفاظ نہ سنے ہوں - لیکن اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے ، مرتبان چھلک گیا اور مچھلی اپنی دُم پھٹپھٹاتی پانی کے اوپر آگئی - پانی کے قطرے اچھل کر فرش پر بھی گر پڑے - کولیا نے اناّ کے پاس جا کر کہا " اناّ تانیا نے کہا ہے یہ مچھلی تل دیجیئے - اور ساتھ ہی تھوڑے سے آلو بھی "

" ہاں - خوب اچھی طرح تل دو اسے اناّ — بہت چٹ پٹا مزیدار مسالا لگانا " تانیا نے کہا - پھر اپنے اباّ کے پاس جا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا " اباّ آیئے ناچیں - آپ اتنا اچھا ناچتے ہیں " اور پنجوں کے

بل اٹھ کر اپنے بازو ابا کے کندھوں کے گرد ڈال دیئے۔ اور اس کے پاؤں جو ابھی ابھی برفانی ٹیلوں اور سڑکوں پر دوڑ رہے تھے، اب روغنی فرش پر رواں تھے۔

اپنا سر پیچھے کو ڈال کر تانیا ناچ میں مصروف رہی۔ جب تھک جاتی تو سر جھکا کر اپنا ماتھا ابا کی آستین سے رگڑنے لگتی۔ ابا کی بانہوں میں وہ نرمی سے بہتے پانی میں ڈولتی دریائی گھاس کی طرح جھلکورے لیتی رہی۔ ابا بہت خوش تھے اور مسکرا رہے تھے۔ آخر ان کی ساری کوششوں کا صلہ مل گیا تھا۔ ان کے قیمتی تحفے، بشاش ناچ، برفیلے سنترے، انگور کی شراب سب سوارتھ لگ گئے تھے۔ تانیا کی اماں بھی مسرور تھیں۔ اور خوش خوش مہمانوں کے درمیان گھوم رہی تھیں۔ اور گوان کا انداز بہت باوقار تھا لیکن ان کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا ان کی آواز تک مختلف معلوم ہو رہی تھی۔

تانیا نے اماں کے ساتھ اور نادیا کے ساتھ بھی رقص کیا۔ اور آخر تھک کر فر کے درخت کے پیچھے سُستانے لگی۔ فلکا اداسی کے ساتھ اس کے قریب کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ تو اسے بھول ہی بیٹھی تھی۔ ساری شام اس نے فلکا سے ایک بات بھی نہ کی تھی۔ فلکا نے اسے مخاطب کیا، دو بار پکارا، تانیا نے بے تعلقی سے اس پر نظر ڈالی۔

"کل کولیا کے ساتھ کوئی اسکیٹنگ رِنگ جا رہا ہے۔" فلکا نے کہا۔

"تم ——؟" تانیا نے پوچھا۔

فلکا نے سر ہلا دیا۔

"پھر کون ——؟"

"زینیا ——"

"اوہ ——"

تانیا نے درخت کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ درخت ہلا اور ایک روپہلی گھنٹی فرش پر گر کر ٹوٹ گئی۔ تانیا نے کانچ کے ٹکڑوں پر پیر رکھ دیا۔

"کولیا نے مجھے بتانے کے لئے تم سے اور کیا کہا ہے؟"

لیکن فلکا کو اب تانیا پر ترس آ رہا تھا۔ اس کا سانولا چہرہ موم بتیوں کی روشنی میں چمکا۔

"میں موم بتی کھا سکتا ہوں۔"

تانیا نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ فلکا نے ایک جلتی ہوئی موم بتی درخت پر سے اُتاری۔ پھونک مار کر اسے بُجھایا اور اسے کُترنے لگا۔

اچانک تانیا کو کچھ ہوش سا آگیا —— "کیا کر رہے ہو فلکا —— بیمار پڑ جاؤ گے۔"

"نہیں کچھ زیادہ مزیدار نہیں ہے مگر اس سے بیمار نہیں پڑوں گا۔ لیکن موم بتی کھانا ہے مزیدار بات۔"

واقعی بات تو مزیدار تھی۔ تانیا کو ہنسنا پڑا۔

فلکا کے موٹے پپوٹوں والی آنکھوں میں آنسو ننھی ننھی روشنیوں کی طرح جھلملانے لگے۔ مگر وہ بڑی تندہی سے موم بتی چباتا رہا۔

فلکا روہانسا کیوں معلوم ہو رہا ہے؟ — تانیا نے سوچا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا مگر سمجھ میں نہ آیا کہ فلکا کیوں رو رہا ہے۔ شاید موم بتی کم دی ہے؟ تانیا نے موم بتی فلکا کے ہاتھ سے چھین لی۔

"بیمار پڑ جاؤ گے فلکا۔ کل میں تمھارے ساتھ اسکول کنسرٹ میں جانا چاہتی ہوں اور تم ہو کہ ان بچّوں کے سامنے ایسی خراب مثال پیش کر رہے ہو۔ دیکھو —" تانیا نے فلکا کے چھوٹے بھائی کی طرف اشارہ کیا جو فلکا کی دیکھا دیکھی کھڑا موم بتّی کتر رہا تھا۔ فلکا کے برعکس اسے موم بتی شاید مزیدار بھی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ بہت خوش معلوم ہو رہا تھا۔ سنترہ اس نے ابھی تک ہاتھ ہی میں تھام رکھا تھا۔

۱۵

آدھی رات کے بعد مہمان رخصت ہوئے۔ تانیا نے سب کو، اپنی عزیز ترین سہیلیوں کو، فلکا اور اس کے والد کو، اپنے آیا اور نادیا کو، سالِ نو کی مبارکباد دی اور کولیا سے کہا — "سالِ نو مبارک ہو کولیا — چلو اس پچھلی کے قصے کو بھول جاؤ —" تانیا نے طے کر لیا کہ کولیا کے متعلق اب بالکل نہ سوچے گی۔

لیکن آدھی رات کے بعد ایک مچھّر کے بھنبھنانے سے ڈر کر وہ جاگ اٹھی اس نے سوچا شاید یہ نیا نویلا مچھّر ہے جو چولہے کے کنارے پڑے ہوئے کچرے میں سے پیدا ہو گیا ہے یا بوڑھا مچھّر ہے جسے گرمی نے تازہ دم کر دیا ہے۔

جاڑوں کی اس رات میں جھینگر کی بھنبھناہٹ بہت ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھی۔ بن موسم کا جھینگر اور بے وقت کی راگنی! تانیا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اندھیرے میں نظروں کو گاڑے وہ جھینگر کی بھنبھناہٹ غور سے سن رہی تھی۔ اس کا دل رات کے چوکیدار کے ڈنڈے کی آواز کی طرح کھٹ کھٹ، کھٹ کھٹ کر رہا تھا۔

جھینگر کے گیت نے مجھے اتنا ڈرا کیوں دیا ہے آخر — اسے مار دینا چاہیئے۔ لیکن جھینگر نے بھنبھنانا بند کر دیا وہ خود ہی مر چکا تھا۔ تانیا سو گئی اور صبح کو جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ تر و تازہ اور بشاش تھی۔ اماں اسپتال جا چکی تھیں لیکن وہ اداس نہیں ہوئی۔ وہ بے حد خوش تھی اور بہت ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے بھئی — اتنی خوشی کیوں؟ تعطیل کی خوشی ہے یا مجھے کسی سے محبت ہو گئی ہے؟ زینیا تو ہمیشہ کتنی بے شرمی سے محبت محبت رٹا کرتی ہے۔ اچھا بھئی ٹھیک ہے مجھے بھی پرواہ نہیں — ہو گئی محبت۔ آج میں پارٹی میں کولیا کے ساتھ ناچوں گی اور اسکیٹنگ رنگ بھی جاؤں گی۔ ان دونوں کے راستے میں نہیں آنے کی۔ برف کے ریلے کے پیچھے کھڑے ہو کر ان دونوں کو اسکیٹنگ کرتے دیکھوں گی۔ اور اگر کولیا کے اسکیٹ کا تسمہ نکل گیا تو اسے اپنے ہاتھ سے درست بھی کر دوں گی — منہ ہاتھ دھوتے اور ناشتہ کرتے کرتے تانیا یہی سب سوچا کی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ہاتھوں اور پاؤں کی ہر حرکت ایک نیا، خوش گوار اور پر لطف تجربہ معلوم ہو رہی تھی۔

اس نے اپنے اسکیٹ کے تسموں کو اچھی طرح باندھا۔ ٹائیگر کو مصری کا ٹکڑا پھینکتے ہوئے اسے اپنے ساتھ چلنے کے لئے آواز دی ٹائیگر نے برف

یں مصری کا ٹکڑا اِدھر اُدھر سے سونگھنا شروع کیا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی سونگھنے کی حس بھی ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے اس نے مصری کی تلاش بھی جلد چھوڑ دی مگر تانیا کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ گو اس نے بعد میں سوچا کہ یہ تانیا کی خاطر ایک بے کار سی قربانی تھی۔ وہ دونوں رِنگ کے پیچھے گھنٹہ بھر تک چھپے رہے مگر وہاں نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔ اور نیچے دریا کا منظر بے حد خطرناک تھا سنسناتی ہوئی ہوا چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر برف کے مرغولے اڑا رہی تھی۔ تانیا اور ٹائیگر دیر تک وہاں کھڑے رہے پھر گھر کی طرف چل دیئے۔

وہ ابھی مچھیروں کے جھونپڑوں تک ہی پہنچے ہوں گے کہ الفیں کولیا دکھلائی دے گیا۔ زینیا اس کے ساتھ تھی اور وہ اسے برف کے ٹکڑوں پر سے پھسلنے پر مدد کر رہا تھا۔ برف کے ان ٹکڑوں کو ماہی گیر کے بچوں کی مسلسل آمد و رفت نے سخت اور چکنا کر دیا تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے اسکیٹ اپنے ہاتھوں میں سنبھال رکھے تھے۔ تانیا پہلو کی ایک سڑک پر مڑ کر ایک مکان کے پیچھے چھپ گئی اور اپنے اسکیٹ برف کی منڈیر میں چھپا دیئے۔ ٹائیگر پاس بیٹھ کر اسے تکنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

کولیا ان دونوں کو دیکھے بغیر پاس سے گزر گیا۔ تانیا ساکت کھڑی رہی مگر ٹائیگر ذرا سا ہونکا اور اس کے پنجے لرزنے لگے۔ اسے مرغی کی وہ ہڈیاں یاد آگئیں جو کولیا اس کے لئے لایا کرتا تھا اور اس کے ضمیر نے اسے ذرا سا کچوکا دیا۔ لہٰذا وہ بھونکتا ہوا باہر لپکا اور کولیا کو جا لیا۔

"ٹائیگر ــــ؟ اور تانیا کہاں ہے؟" کولیا نے حیرت سے پوچھا۔

تانیا بھی مکان کے پیچھے سے نکل آئی۔

اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ اب چھپنا بے کار تھا۔ "اِدھر آؤ ٹائیگر" اس نے حکم دیا۔

کولیا اپنے اسکیٹ جھلاتا تانیا کی طرف بڑھا۔

تانیا اپنا چہرہ دوسری طرف کیے رہی

"اچھا تو تم اسکیٹ میں مصروف ہو۔ میرا خیال تھا کہ نلکا کے ساتھ اسکول کنسرٹ میں حصہ لینے گئی ہوگی ــــ" کولیا نے کہا۔

گو اپنی زبان پر قابو پانے میں تانیا کو بڑی مشکل پیش آرہی تھی ــ مگر اس نے پُر وقار انداز میں جواب دیا "میں اسکیٹنگ نہیں کر رہی تھی۔ کیا تمھیں سجھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس اسکیٹ نہیں ہیں۔ رہا فلکا تو یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم دونوں اسکول کنسرٹ میں جا رہے ہیں"

کولیا نے یہ دیکھ کر واقعی تانیا کے ہاتھوں یا کندھے پر اسکیٹس کی جوڑی موجود نہیں کہا ــــ "ٹھیک! بہت خوب اِدھر آؤ میاں ٹائیگر ــ"

"ہرگز نہیں ٹائیگر ــــ" تانیا چلائی۔ بوڑھا کتا اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں گو مرغی کی مزیدار ہڈیاں اس کے تصور میں گھوم گئیں۔ چند لمحوں تک تانیا کے پاس بیٹھے بیٹھے اس نے اس نئے گھپلے سے نکلنے کی ترکیبیں سوچیں پھر بہ ظاہر کر کے کہ ایک خاص ضرورت پیش آگئی ہے وہ گلی کے اندر بھاگ گیا۔ تانیا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے بھاگی۔

"میں کولیا کی وجہ سے مکانوں کے پچھواڑے چھپنے کی کوشش کبھی نہیں کروں گی۔

اس کے اسکیٹس کے تسمے کبھی نہ باندھوں گی۔ یہ سب بے کار ہے۔"

تانیا کی ساری زندگی اس کے سامنے پڑی تھی مگر اس نے طے کر لیا کہ کولیا کے خیال کو اپنے ذہن اور اپنی یادوں سے ہمیشہ کے لئے دیس نکالا دے دے۔ کیا زندگی میں دوسری دلچسپیاں نہیں تھیں؟

ان نئی ہلکی پھلکی دلچسپیوں اور تفریحوں سے وہ حال ہی میں واقف ہوئی تھی۔ مچھلی کا شکار، بگل کی آواز سنتے ہوئے ساتھیوں کی صف میں حاضری لگوانے کے لئے کھڑا ہونا، اپنے اتنے سارے دوست — ! فلکا بھی اسکول میں اس کا منتظر ہوگا اور دوسرے لڑکے اس کے گھر کے پھاٹک پر یقیناً جمع ہو چکے ہوں گے۔

اور اپنے اس شہر میں جہاں وہ پیدا ہوئی تھی، وہ کس بے فکری سے سیر کیا کرتی تھی۔ یہ شہر خود اس کی طرح چھوٹا سا تھا مگر اس کے آسمان اور اس کے سدا بہار جنگل میں کتنی اپنائیت تھی۔ موسم بہار میں بہت بلندی پر چکر کاٹتی ہوئی چیلیں اس شہر کے حسن کو تکا کرتی تھیں۔ سردیوں میں بھی یہ شہر کتنا خوبصورت معلوم ہوتا تھا! اس کی ساری عمارتیں لکڑی ہی کی بنی تھیں۔ دریا کا پختہ کنارا، اسکول اور وہ عمارت جس میں سونا پگھلایا جاتا تھا پتھر سے بنائی گئی تھیں۔ اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے جنگلوں میں سے بہت سی نئی سڑکیں نکالی گئی تھیں۔ اور جنگل کی گہرائیوں میں سے دن رات انجنوں کی آواز آتی تھی اور دیو دار کے درختوں کی چوٹیوں کے اوپر دھواں منڈلایا کرتا تھا۔ سڑکوں پر کافی آمد و رفت جاری رہتی تھی اور پھسلن سے بچنے کے لئے موٹر والے

کے پہیوں پر زنجیریں چڑھا دی جاتی تھیں۔

پھر وہ بوڑھا لوہار تھا جو سڑکوں پر پھیری لگا کر چلاتا تھا ——"برتن بھانڈے مرمت کروالو" گرمیوں کے موسم میں اپنے اوزار کندھے پر رکھے گھومتا اور جاڑوں میں ان کو ایک رسّی سے باندھ کر گھسیٹتا جو کُتّے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے اچھلتے ہوئے چلتے۔

اس وقت بھی تانیا بوڑھے کو دیکھتی رہی اور پھر تیزی سے اسکول کی طرف روانہ ہوگئی۔ اسکول کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور عجیب بات تھی کہ بچّے اندر جانے کے بجائے باہر آرہے تھے۔ وہ چلاتے ہوئے تانیا کی طرف دوڑے "طوفان آرہا ہے —— طوفان —— کنسرٹ نہیں ہوگا" چند چھوٹے بچوں کے والدین بھی بچوں کو گھر لے جانے کے لئے آئے تھے۔ الکسندرا الوانودا ایک ننھی بچّی اور ایک ضد کرتے ننھے بچّے کو ساتھ لیے پھاٹک سے باہر نکلیں۔ آسمان جیسے دو حصّوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک حصّہ نیلا تھا اور دوسرا سیاہ۔ مشرق کی سمت سیاہ حصّہ تھا۔ اور ایک سیاہ بلند دیوار کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ مینار پر لگا جھنڈا تیز و تند ہوا میں تنا ہوا پھڑپھڑا رہا تھا۔

طوفان شہر کے اوپر ہی اوپر چل رہا تھا۔ زمین کو اس نے ابھی تک نہ چھوا تھا۔ اندھیرا گہرا ہوتا جارہا تھا۔ "آندھی اب آیا ہی چاہتی ہے اور وہ دونوں ابھی دریا کے کنارے ہی موجود ہیں" تانیا نے گھبرا کر سوچا۔

"تانیا گھر جاؤ —— اور سب سے کہہ دو اپنے اپنے گھر لوٹ جائیں"۔

الگزنڈرا ایوانووا نے اسے آواز دی۔

"مجھے آندھی سے ڈر نہیں لگتا۔ لائیے میں اس بچی کو گھر پہنچا دوں" تانیا نے جواب دیا۔

"یہ بے چاری بہت دور رہتی ہے۔ بجروں کے پاس دریا کے کنارے" استانی نے جواب دیا۔

"کوئی حرج نہیں۔ مجھے اس کے گھر کا پتہ معلوم ہے۔"

"اچھا۔ تم اسے لے جاؤ۔ میں بچے کو پہنچاتی ہوں"۔ استانی نے پریشانی سے جواب دیا۔

تانیا نے بچی کا ہاتھ تھام کر سڑک پر دوڑنا شروع کیا۔ ابھی دوپہر ہی تھی۔ مگر عورتوں نے اپنے اپنے گھروں کی کھڑکیاں بند کر کے لیمپ جلانے شروع کر دیئے تھے۔ دونوں لڑکیاں تیزی سے دوڑتی رہیں۔ دریا کے نزدیک پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ بجرے برف سے ڈھک چکے ہیں۔ دائیں ہاتھ اسکیٹنگ رنک خالی پڑی تھی اور اونچے کھمبوں پر، جو اس کی حدوں کی نشاندہی کرتے تھے، صنوبر کی ڈالیوں کے ہار اس طرح جھول رہے تھے جیسے سمندری طوفان میں گھرے ہوئے بادبانی جہاز کے مستول پر رسیاں لٹکتی ہوں۔ رنگ سے بہت آگے دریا اور پہاڑ پر ناچتے ہوئے سفید بگولے لمبے ڈنٹھلوں والے پھولوں کی طرح اوپر اٹھ رہے تھے۔ سنسان رنگ پر دو ہستیاں ہاتھ میں ہاتھ دیئے اسکیٹنگ میں مشغول تھیں۔

تانیا تیزی سے ساحل کے برابر والی سڑک پر دوڑنے لگی۔ بار بار وہ رنگ

کو بھی دیکھتی اور بچی پر بھی نظر ڈالتی جواب ہانپ رہی تھی۔

"یہ دونوں ہمارے ہی اسکول کے بچے ہیں۔ ان کو آواز کیوں نہیں دیتیں تانیا؟" بچی نے دم لینے کے لئے ٹھٹھکتے ہوئے پوچھا۔

لیکن تانیا نے اس بات کا جواب دینے کے بجائے بچی کا ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر دریافت کیا "آواز سن سکتی ہو؟"

"ٹھنڈ سے میرے کان سن ہو گئے ہیں۔ کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ طوفان آنے ہی والا ہے اور وہ دونوں اسکیٹنگ میں جٹے ہیں۔ ان کو بلاؤ نا" بچی نے کہا۔

لیکن تانیا نے پھر کوئی جواب نہ دیا اور بچی کو گود میں اٹھا کر دریا کے کنارے کے ایک کاٹج کے اندر لے گئی۔

دوسرے ہی لمحے وہ کاٹج سے باہر نکلی اور جمی ہوئی برف پر اتر کر بجروں کے درمیان ایک ایسے راستے پر چلنے لگی جس پر ٹخنوں ٹخنوں برف تھی۔ اتنی گہری برف میں تیزی سے چلنا بہت مشکل تھا مگر اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر آندھی کے تھپیڑے اسے اندھا بھی کر دیں، رنک اور اس کے کھمبے اور دریا اور پہاڑ برف میں دفن بھی ہو جائیں تب بھی وہ جلدی نہیں کرے گی اور اطمینان سے رنک تک پہنچ کر تیزی سے کہے گی۔

"اب ذرا ہوش میں آؤ اور گھر جاؤ واپس ـــــ یہ مت سمجھنا کہ میں خاص طور سے تم کو اطلاع دینے آئی ہوں اتفاق سے ادھر سے گزر رہی تھی۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ مجھے نظر آ گئے۔ میری اس جگہ پر موجودگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے

کہ مجھے طوفان سے پہلے دریا کے کنارے چہل قدمی کرنا پسند ہے۔ اگر تمھیں میرا یقین نہ ہو تو نہ سہی ــــ میں تو صبح صبح یہاں آئی تھی۔ اور صبح ہی صبح واپس جاؤں گی ــــ" یہی سب بڑبڑاتے بڑبڑاتے تانیا کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے ہیں۔ بجروں کے پاس سے بھاگتی ہوئی وہ رنک پر پہنچ گئی ــــ لیکن رنک خالی پڑی تھی! دریا اور ساحل دھند میں چھپ چکے تھے۔ اچانک اپنے بالکل قریب اسے کولیا نظر آگیا۔ وہ زینیا کے ساتھ صنوبر کے نزدیک برف پر بیٹھا تھا۔

اوپر طوفان کا اندھیرا تیزی سے سورج کے قریب بڑھتا آرہا تھا۔ صنوبروں میں سے نکل کر تانیا نے کہا ــــ

"تم دونوں اندھے ہو گئے ہو کیا؟ جھکڑ چلنے والا ہے۔ الگزنڈر ایوانووا نے کہا ہے کہ سب لوگ فوراً گھر جائیں۔"

تانیا نے دیکھا کہ زینیا بری طرح ڈری ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اور وہ کانپ رہی تھی۔

"یہ سب کولیا کا قصور ہے۔ یہ میرے ساتھ اسکیٹنگ کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے ــــ اتنا بڑا طوفان۔"

"بکو مت ــــ تم خود ہی تو اسکیٹنگ کرنا چاہتی تھیں ــــ" کولیا نے جواب دیا۔

"لیکن کیا تم نے فلکا سے نہیں کہا تھا کہ وہ تانیا کو بتا دے کہ ہم لوگ یہاں آئیں گے؟" زینیا نے غصّے سے کہا۔

لیکن کولیا پر جھکی ہوئی پریشان تانیا نے یہ الفاظ نہ سنے۔ کولیا کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا اور اس نے اپنی ایک ٹانگ پکڑ رکھی تھی۔ اس سے برف پر سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔

"چلی جاؤ احمق" اس نے زینیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ——

"تم دونوں بھاگ جاؤ یہاں سے —— میں یہیں ٹھہروں گا۔"

"تو میں چلی ——" زینیا نے کہا — وہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔

تانیا نے اس کے کندھے پکڑ کر اس کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔

"اچھا جاؤ — سدھارو —— لیکن راستے میں فلکا سے کہتی جانا کہ ہم دونوں یہاں پر ہیں۔ میری اماں گھر پر نہیں ہیں۔"

"نہ بھائی میں تو سیدھی اپنے گھر جاتی ہوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" یہ کہتے ہوئے زینیا کوٹ کی آستین میں اپنا چہرہ چھپا کر وہاں سے چل دی۔

تانیا نے برف پر بیٹھ کر کولیا کے اسکیٹس کے تسمے کھولے

"کیا چوٹ لگ گئی؟ درد ہو رہا ہے؟"

کولیا چپ رہا۔ اندھیرے نے دریا، برف اور آسمان کو نگل لیا۔ تانیا اپنی سُن انگلیوں کو اپنے گھٹنوں سے رگڑ رگڑ کر گرم کرتی رہی۔ کولیا نے کوشش کی کہ نہ کراہے۔ تانیا نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے سہارے کولیا نے اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر برف پر گر گیا۔

"ہڈی ٹوٹ گئی ہے کیا؟" تانیا نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں۔ صرف موچ آ گئی ہے۔ وہ بے وقوف زینیا اسکیٹنگ کرنا نہیں

جانتی۔" کولیا نے کہا اور ہنس پڑا۔

"وہ مجھ پر تو نہیں ہنس رہا ہے؟ کیونکہ بس ہی اس کے متعلق اتنی فکرمند ہو رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ صرف گپ مار رہا ہو اور سوچ وچ کچھ بھی نہ آئی ہو۔" تانیا نے سوچا۔

"وہ دیکھو ــــ" کولیا نے کہا ــــ "وہ رہا ٹائیگر ــــ سڑک پر۔ اس نے تمھارے اسکیٹ منہ میں دبوچ رکھے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ تم نے انھیں چھپا دیا ہے۔"

ٹائیگر اسکیٹس اٹھا کر تانیا کے پاس آگیا۔ اور سامنے بیٹھ کر تانیا کی شاباشی کا انتظار کرنے لگا۔ تانیا نے اپنا ٹھٹھرا ہوا ہاتھ اس کی ٹھٹھری ہوئی کھال پر رکھ دیا۔ ٹائیگر نے اسکیٹس برف میں سے کھود کر نکالے تھے۔ راہ گیروں سے بچتا، طوفانی ہوا کا مقابلہ کرتا، ان کو سڑک پر گھسیٹتا ہوا لے کر یہاں تک پہنچا تھا۔

"اب کیا کیا جائے اماں گھر پر نہیں ہیں۔ یہاں صرف ٹائیگر ہی ہمارا ساتھی ہے۔ تم چل نہیں سکتے ہیں تم کو ماہی گیروں کی بستی تک اٹھا کر لے جاؤں گی، وہیں ٹھہر جانا تمھیں پتا نہیں ہمارے طوفان کتنے بھیانک ہوتے ہیں۔" تانیا نے کہا۔

"مجھے تمھارے بھیانک طوفان کی ذرا بھی پروا نہیں۔ اور اگر تمھارا خیال ہے کہ اس دن تمھارے بلّی کے بچّے کو بچانے کے لئے تمھارے اس بے تکے دریا میں کودنے سے مجھے ڈر لگا تھا تو مجھے تمھارے اس خیال کی بھی

پرواہ نہیں - جو چاہو سوچو - اور اگر تم کو طوفان کا ڈر ہے تو تم بھی تشریف لے جاؤ -"

"نہیں مجھے طوفان کا ڈر نہیں مگر تمھاری فکر ہے - مجھے معلوم ہے کہ یہ طوفان کتنے خطرناک ہوتے ہیں اور میں تم کو یہاں اکیلا ہرگز نہ چھوڑوں گی -" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر اسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگی - اب ان نظروں کو چھپانے کی اسے پرواہ نہ رہی تھی - کولیا نے سر جھکا لیا -

"مجھے گھر جانا چاہیئے - میں نے ابا سے وعدہ کیا تھا کہ جلد واپس آجاؤں گا - ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں -"

"کیا کروں ___؟" تانیا نے کولیا سے نظریں ہٹا کر ٹائیگر کو دیکھا طوفان کے بگولوں میں گھرا ٹائیگر کھڑے کھڑے کانپ رہا تھا - دفعتاً تانیا بڑے محتاط انداز میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی -

آسمان اب پہاڑوں پر دھوئیں کی مانند جھکا ہوا تھا - دور کی تاریک چٹانوں کے پیچھے ٹھٹھک گئی تھی - نہ تو ابھی ہوا اپنی پوری طاقت سے ظاہر ہوئی تھی اور نہ ہی برف باری ہوئی تھی - طوفان ابھی اپنا انتظار کروا رہا تھا -

"ابھی وقت ہے - فلکا کے پاس کتے موجود ہیں اور میں انھیں سنبھال بھی سکتی ہوں - تم یہیں ٹھہرو میں جا کر سلیج گاڑی لاتی ہوں اور طوفان سے پہلے پہلے تم ابا کے پاس گھر پہنچ جاؤ گے - ٹائیگر تمھارے ساتھ یہیں ٹھہرے گا - تم فکر مت کرو -" تانیا نے کہا اور ٹائیگر کو برف کی منڈیر پر چڑھا کر جلدی سے چڑھائی کی طرف بھاگی - ٹائیگر پریشانی سے اس

کی طرف دیکھتا رہا۔

سر جھکائے ہوا کا مقابلہ کرتی تانیا سڑک پر دوڑتی رہی ۔ فلکا کے گھر کے پھاٹک کے علاوہ سارے پھاٹک بند تھے ۔ فلکا اپنے ابّا کے ساتھ ابھی ابھی اپنی برف گاڑی میں گھر لوٹا تھا اور برساتی میں کھڑا اپنے پیروں میں بندھے برف پر پھسلنے والے لمبے تختوں پر سے برف جھاڑ رہا تھا۔ تانیا کو دیکھ کر وہ حیرت میں رہ گیا ۔ کتّے ابھی تک برف گاڑی میں جُتے پھاٹک کے پاس بیٹھے تھے ۔ ان کو قابو میں رکھنے والا ڈنڈا ان کے پاس برف میں اڑسا ہوا تھا ۔ تانیا اسے کھینچ کر سلیج پر جا بیٹھی ۔

" کیا کرتی ہو تانیا —— کتّے خطرناک ہیں ——" فلکا گھبرا کر چلّایا ۔

" سب جانتی ہوں فلکا تم کو لیا کو فوراً گھر جو پہنچانا ہے ۔ اس کے پیر میں موچ آ گئی ہے ۔ میں تمھاری گاڑی ابھی واپس لے آؤں گی "

اس نے چابک لہرا کر ننائی زبان میں نعرہ لگایا اور کتّے پھاٹک سے باہر نکل کر فراٹے بھرنے لگے ۔ جتنی دیر میں فلکا برساتی سے نیچے کود کر اپنے برف پر پھسلنے والے تختیاں پاؤں سے باندھیں اتنے میں سلیج بہت دور نکل چکی تھی ۔ فلکا اس کے پیچھے پیچھے دوڑ کر اپنی پوری قوت سے چلّایا ——

" طوفان آ رہا ہے —— کہاں جاتی ہو —— میں بھی آ رہا ہوں ٹھہرو "

لیکن اس کی آواز تانیا تک نہیں پہنچی ۔ وہ ایک ماہر شکاری کی طرح سلیج کو ہنکائے لئے جا رہی تھی ۔ اور گو اس کی آواز کتّوں کے لئے اجنبی تھی لیکن وہ

اس کا حکم مان رہے تھے۔ ہوا کے ایک تھپیڑے نے فلکا کا راستہ روک لیا اور وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ گھٹنوں میں سر دے کر پھسل تختوں پر بیٹھے بیٹھے وہ طوفان، تانیا اور اپنے متعلق سوچتا رہا۔ پھر اچانک تختوں کا رُخ موڑ کر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔

اتنی دیر میں اس کے کُتّے تانیا کو رِنک تک پہنچا چکے تھے۔ تانیا نے سلیج کولیا کے قریب لے جا کر روکی۔ کُتّے فوراً بڑے اطمینان سے برف پر بیٹھ گئے۔ کولیا اپنی تکلیف کے باوجود مسکراتا ہوا لڑکھڑا کر اٹھا۔ پالے سے زخمی اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا کیونکہ اس نے کتوں والی بغیر پہیئے کی برف گاڑی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی! وھیل مچھلی کی ہڈی کے استر والی ہلکی پھلکی گاڑی اور دُم کٹے برف چاٹتے ہوئے کتوں کا جائزہ لے کر اس نے کہا — "بہت خوب! فلکا تو کہتا ہے یہ کتے بہت بدمزاج ہیں مگر یہ تو سیدھے سادے معلوم ہوتے ہیں بے چارے۔ اور اتنے قوی ہیکل بھی نہیں ہیں بس ہمارے پومیرینین کتوں سے ذرا ہی بڑے ہیں۔"

لیکن تانیا خوب جانتی تھی کہ یہ کُتّے کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ اس لئے سلیج ہی میں بیٹھی رہی۔ صرف ایک مرتبہ نیچے اتر کر اس نے کولیا کو گاڑی میں چڑھنے میں مدد کی پھر ڈر سے کانپتے ٹائیگر کو اٹھایا اور اس کو اپنے سینے سے بھینچ کر سلیج پر چڑھی اور کتوں کو حکم دیا۔ وہ بڑی مہارت، تیز نظری اور پھرتی سے سلیج ہانک رہی تھی۔ مگر کولیا پر نظر پڑتے ہی وہ سہم اور لجا جاتی۔

"کیا بہت درد ہو رہا ہے۔ حوصلہ رکھو۔ بس تھوڑی ہی دیر میں ہم گھر پہنچ

جائیں گے" تانیا نے کولیا سے کہا۔

کولیا حیرت زدہ تھا۔ تانیا کی پلکوں پر برف جم گئی تھی مگر اس کی آنکھوں میں تردد چمک رہا تھا اور اس کے سارے انداز میں ایک ایسا نیاپن، ایسا انوکھاپن آگیا تھا جو کولیا نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سخت تکلیف دہ برف باری میں سے گزرتے ہوئے اس ہلکی پھلکی سلیج پر سوار وہ دونوں انجانے دلیسوں کی طرف اڑے چلے جارہے ہیں۔ گاڑی کی تیز رفتاری کی وجہ سے کولیا نے گرنے سے بچنے کی خاطر تانیا کا کوٹ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ آندھی نے سڑک پر حملہ کر دیا۔ گرم ملکوں کی برساتی بوچھاڑ کی مانند ایک دیوار کی طرح آگے بڑھتا ہوا طوفان چٹانوں پر بجلی کی طرح کڑک اور گرج رہا تھا۔ ہوا کے زور نے تانیا کو بہرہ کر دیا تھا۔ سامنے ایک گھوڑا اپنی برف گاڑی کھینچتا طوفان سے بچنے کے لئے سرپٹ دوڑتا ہوا تانیا کی طرف آرہا تھا۔ وہ سلیج کے مسافروں کو اس برفانی دھندلکے میں نہ دیکھ سکی مگر جب اچانک کتوں نے آگے بڑھنے کے لئے بے تحاشا زور لگایا تو وہ گھبرا کر چیخی۔ تانیا کی پریشانی کی وجہ کولیا کو معلوم نہیں تھی۔ مگر تانیا خوب جانتی تھی کہ اب کتے اس کے قابو سے باہر ہو چکے ہیں۔ اس نے ایک کتے ہانکنے والا بڑا اور بھاری ڈنڈا ہوا میں لہرا کر پوری طاقت سے برف میں گاڑ دیا۔ ڈنڈا برف میں جاکر دو ٹکڑے ہو گیا۔ کولیا نے دیکھا کہ شدید دہشت کی وجہ سے تانیا کے چہرے کا رنگ بدل گیا ہے۔

"مضبوطی سے تھامے رہو" وہ چیخی اور ٹائیگر کو اپنے سر سے اونچا

اٹھا کر زور سے سڑک پر پھینک دیا۔ برف پر گرتے ہی ٹائیگر سمجھ گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ سلیج کے خوفناک کتّوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے زور زور سے بھونکنے لگا اور گویا اپنے خاتمے سے خود اچھی طرح واقف سلیج سے آگے نکل گیا۔ سلیج کے کتّوں نے اسے دیکھا اور جوں ہی ٹائیگر سڑک سے ایک طرف کو بھاگا، ان وحشی کتوّں نے دیوانگی کے ساتھ اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ گھوڑا بھی سرپٹ دوڑتا ہوا پاس سے گزر گیا۔

میرا بے چارہ ٹائیگر — میرا پیارا ٹائیگر — ٹائیگر اب کھیت کی اچھوتی برف پر قلانچیں بھر رہا تھا اور ہانپتا جا رہا تھا۔ شاید وہ اپنی قسمت کو کوس رہا تھا جس نے اس کی ٹانگیں چھوٹی اور گردن اتنی لمبی اور کمزور بنائی تھی۔ مگر اسے تانیا سے محبت تھی۔ جب وہ چھوٹا سا پلّا تھا تب سے تانیا کا ہم جولی اور رفیق رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ بڑے ہوئے تھے۔ لیکن زندگی بڑی بے انصاف ہے۔ ان دونوں میں سے صرف ٹائیگر ہی کو بوڑھا ہونا پڑ گیا تھا۔

برف پر بیٹھ کر وہ اپنی موت کا انتظار کرنے لگا۔

تانیا بے تابی سے سلیج کو تھامے ہوئے ٹائیگر کی لمبی چیخ، اس کے نرخرے کی خرخراہٹ اور سلیج کے کتّوں کے دانتوں کی کٹ کٹاہٹ سنتی رہی۔ اس آواز میں طوفان کی آواز بھی ڈوب گئی — بغیر بریکوں کی سلیج ہوا میں اچھلی اور ایک قلابازی کھا کر کتّوں کے جھنڈ میں گری۔ تانیا کے سر کے عین اوپر بجلی چمکی جس نے تانیا کی آنکھیں چکا چوند کر دیں۔ برف گاڑی کی رسّی ایک

برفیلی چٹان سے الجھ کر سانپ کی پھنکار کی طرح چٹ سے ٹوٹ گئی۔ ساز اور لگام سے آزاد کتے طوفان میں تیر کی طرح غائب ہو گئے۔

اب وہ تینوں چپ چاپ وہاں پڑے ہوئے تھے۔ تانیا جو سلیج کے پاس لیٹ گئی تھی، کولیا جس نے زمین پر اپنے آپ کو چت گرا دیا تھا اور ٹائیگر جس کا حلق نوچ کر کھایا جا چکا تھا اور جو اپنی مردہ آنکھوں سے طوفانی آسمان کو تک رہا تھا، سیٹیاں بجاتی برف اور ہوا کے علاوہ سارے میں سناٹا طاری تھا۔

سب سے پہلے تانیا اٹھی۔ سلیج کو سیدھا کیا اور کولیا کو اٹھانے کی کوشش میں لگ گئی۔ سلیج سے گرنے کے باوجود اس کا دماغ سن نہ ہوا تھا۔ بڑے اطمینان سے اس نے اپنے چہرے پر سے برف صاف کی۔

لیکن کولیا کے گھٹنوں نے جواب دیدیا۔

"ہم طوفان میں گم ہو چکے ہیں تانیا —— تانیا یہ میں نے کیا کر دیا —؟" آنسو اس کی پلکوں پر جم کر رہ گئے۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا۔ اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور اگر تانیا اسے نہ سنبھال لیتی تو وہ دوبارہ گر پڑتا۔

"کولیا —— ہم مریں گے نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن ہم یہاں ٹھہر نہیں سکتے —— ٹھہرے تو برف میں زندہ دفن ہو جائیں گے۔ برابر چلتے رہو —— قدم اٹھاتے رہو —— سنا تم نے —— سنا کولیا؟"

اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس نے کولیا کو کھڑا رکھنے کی کوشش کی۔ کولیا کو اپنی بانہوں میں جکڑے وہ برف کے گرجتے ہوئے جھکڑ کے اندر کھڑی رہی۔

پھر اپنے پاؤں سے سلیج کو اپنے نزدیک کیا۔

"نہیں —— میں تم سے اپنی گاڑی نہیں کھنچواؤں گا —— میں ننھا بچہ نہیں ہوں ——" کولیا دہاڑا۔ اور تانیا کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ تانیا نے اس کی گردن دبوچ لی اور دونوں کے ٹھنڈے چہرے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ تانیا نے ایک ایک لفظ الگ الگ ادا کر کے پھر اپنی درخواست دہرائی مگر الفاظ طوفان کی گھن گرج میں ڈوب گئے۔

"چلو —— چلو —— دیر نہ کرو —— جلدی کرو —— جلدی" تانیا نے پھر دہرایا۔ آخر کار کولیا نے اس کی بات مان لی اور سلیج میں بیٹھ گیا۔ اپنے رومال سے اس کا چہرہ صاف کر کے تانیا نے اس کے ہاتھوں کا معائنہ کیا۔ ہاتھ ابھی خشک تھے۔ تانیا نے کولیا کے دستانوں کے تسمے اس کی کلائیوں سے باندھ دیئے۔ پھر ٹوٹی ہوئی رسّی اٹھا کر سلیج کھینچنے لگی۔ برف کے خوفناک تند و تیز ریلے اس کا راستہ روکتے رہے لیکن ان ریلوں کے اوپر اور نیچے گزرتی ہوئی کسی نہ کسی طرح تانیا آگے بڑھتی رہی۔ برف کے مرغولے دریائی بیلوں کی طرح اس کے لباس سے لپٹتے گئے۔ برفیلی فضا بالکل تاریک ہو چکی تھی۔

تانیا تھوڑی تھوڑی دیر بعد رک کر سلیج کا چکّر کاٹتی، کولیا کو ہلا جلا کر اٹھاتی اور اس کے کراہنے اور بڑبڑانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے چند قدم پیدل چلنے پر مجبور کرتی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا اور کپڑوں پر برف کی تہہ جم گئی تھی۔

اسے پتہ نہ تھا کہ شہر کس طرف ہے۔ دریا اور آسمان اور ساری سمتیں

برف میں ڈوب چکی تھیں۔ لیکن تانیا سلیج کو کھینچتی رہی۔ چلتی رہی۔

اچانک گولہ دغا اور فضا بھرا اٹھی۔ اپنی سمندری ٹوپی اتار کر تانیا نے کان لگائے۔ کولیا کے پاس جا کر اسے اٹھایا اور حلق پھاڑ کر چلائی تاکہ وہ سن سکے۔ کولیا ـــــ سنا تم نے ـــــ یہ قلعے کی توپ ہے۔ لوگ ہمیں ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کولیا نے بے تعلقی سے سر ہلایا۔ اس پر بے ہوشی سی چھا رہی تھی۔ تانیا نے سلیج کو وہیں چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ کولیا کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اور اس کا بازو اپنی گردن پر رکھ کر اس نے کولیا کو پیدل چلانا شروع کیا۔

وہ بائیں طرف مڑے اس وقت دوسرا گولہ سر ہوا۔ اس کی آواز پہلے گولے کی آواز سے زیادہ اونچی تھی اور دریا پر لرز رہی تھی۔ تانیا ہوا کا مقابلہ کرتی آگے بڑھتی گئی۔ وہ اپنے مضبوط پھیپھڑوں کی شکر گزار تھی کہ اس بھیانک آندھی میں بھی ان میں سانس لینے کی طاقت موجود تھی، اپنی مضبوط ٹانگوں کی احسان مند تھی جو اسے آگے بڑھا رہی تھیں اور اس کے صحت مند بازوؤں نے اس کے دوست کو سہارا دے رکھا تھا۔ لیکن کبھی کبھی اسے یہ خوف بھی آن دبوچتا کہ آندھی اور برف کی اس کائنات میں وہ بالکل اکیلی ہے۔

ادھر سرحدی گارڈ پھسلنے والے تختوں پر ان دونوں کی طرف آ رہے تھے۔ چوں کہ وہ سب ایک دوسرے سے رسی کے ذریعے بندھے ہوئے لمبی قطار میں دریا کے اوپر پھسل رہے تھے اس لئے طوفان کا بے خوفی سے سامنا کر رہے تھے۔ یہی دھند، یہی برفیلی چٹانیں، برف کے یہی

اونچے اونچے ریلے ان کے راستے میں بھی موجود تھے، مگر ایک دوسرے کے ساتھ متحد یہ انسان آسانی سے ان مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے آرہے تھے۔ جب جھکڑ زیادہ تیز ہوتا تو گویا طرح دینے کے لئے وہ سب کے سب ایک ساتھ نیچے جھک جاتے آہستہ آہستہ وہ سب تانیا کے نزدیک پہنچ گئے۔ مگر صرف چند قدم کے فاصلے پر آجانے کے بعد ہی تانیا ان کو یا وہ تانیا کو نظر آسکے دھند اتنی گہری تھی کہ تانیا یہ سمجھتی رہی کہ وہ اور کولیا بالکل بے یار و مددگار ہیں۔ بے سکت کولیا اس کے بازوؤں پہ جھکا ہوا تھا۔ تانیا کے چہرے کا پسینہ برف بن چکا تھا۔ وہ اب بالکل نڈھال ہو چکی تھی۔ اس کی طاقت نے جواب دے دیا تھا۔ ہوا کا ہر نیا تھپیڑا اسے زمین پر گرا گرا دیتا تھا۔ اور ہر مرتبہ وہ اپنے خالی ہاتھ سے راستہ ٹٹولتی پھر اٹھ کھڑی ہوتی تھی۔

اتنے میں اس کی کہنی رسّی کی قسم کی کسی چیز سے ٹکرائی۔ ہڑبڑا کر اس نے اس چیز کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ ضرور ان کشتیوں میں سے کسی ایک کا کوئی حصّہ ہوگا جو برف میں دفن ہو چکی تھیں۔ لیکن جب اس نے اس چیز پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کے منہ سے بے اختیار ——— "مدد!" کی چیخ نکل گئی ——— اس کے ابا کا اوور کوٹ ——— !! اسے کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ برف نے وقتی طور پر اس کی آنکھیں اندھی کر دی تھیں اور ٹھٹھری ہوئی انگلیاں تقریباً بے کار ہو چکی تھیں۔ پھر اسے بھلا کیسے معلوم ہوا کہ ابا وہاں آن پہنچے ہیں؟ اس مصیبت میں اس کا دل اس شدّت سے اپنے باپ کو یاد کر رہا تھا

کہ ابا اسی دل نے اس سے کہا کہ ابا اس کے پاس موجود ہیں۔ اس برفانی موت اور ویرانے کی گھاٹی میں وہ اس کی مدد کو آپہنچے ہیں۔

"ابا ـــــ ابا ـــــ"

"میں یہاں ہوں بیٹی ـــــ"

تانیا کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔

"ابھی زندہ ہے ـــــ" اس نے کولیا کو باپ کی طرف ڈھکیلتے ہوئے کہا اور خود سسکیاں بھرتی ہوئی اپنے باپ کے گھٹنوں سے لپٹ کر اپنا ماتھا رگڑنے لگی۔

ابا نے برف پر بیٹھ کر اپنا اوورکوٹ اتارا اور اسے دونوں بچوں کے گرد لپیٹ دیا۔ کیا ابا بھی رو رہے تھے؟ یا ان کے دکھی چہرے پر سے برف پگھل پگھل کر نیچے گر رہی تھی؟۔

"فلکا نے ہمیں اطلاع دی تھی ـــــ" انھوں نے کہا۔

"فلکا ـــــ فلکا ـــــ" تانیا نے دہرایا۔ دو تین منٹ تک وہ تینوں اسی طرح ساکت بیٹھے رہے، برف ان کے چاروں طرف گرتی رہی۔ پھر تانیا کے ابا نے اپنی رسی کو جھٹکا دیا۔ فوراً ہی دائیں اور بائیں جانب سے سرخ فوج کے سپاہیوں نے طوفانی آندھی میں سے برف کے بادلوں کی مانند نمودار ہونا شروع کر دیا۔ ایک سیکنڈ کے لئے بھی انھوں نے رسی پر سے اپنی پکڑ نہیں ہٹائی۔ سب سے آخر میں فردلوف نمودار ہوا۔ اس کی رائفل تک برف میں چھپ چکی تھی۔ وہ سب کرنل اور ان کے دونوں

بچوں کے گرد جمع ہو گئے۔ اور ایک ساتھ طوفان میں آگے بڑھنے لگے۔
دور قلعہ سے آخری گولہ سر کیا گیا۔

۱۶

وہ دن جب تانیا نے طوفان کا اس بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ ماضی میں شامل ہو گیا۔ موت اور طوفان کے خلاف اس جنگ میں وہ ہی جیتی تھی اور یہ جیت دوہری تھی کیوں کہ اس کے باپ کو بھی اس کے دل میں اپنا گھر دوبارہ مل گیا تھا اور اس کی محبت نے اس کی بیٹی کا دل آباد کر دیا تھا۔

صبح تک جھکڑ تھم گیا۔ دریا کے اوپر، پہاڑوں اور تانیا کی ساری کائنات پر خاموشی چھا گئی۔ برف کو ہوا درختوں سے اڑا لے گئی تھی اور جنگل اب پھر ہرے بھرے اور تاریک تھے۔ تانیا اب بڑے سکون کے ساتھ اس نظارے کو دیکھتی۔ اب اس کی نگاہیں نئے نئے منظر اور ان دیکھی جگہوں کو دیکھنے کے لئے بے قرار نہیں تھیں۔

کولیا کے گال اور کان طوفان کی وجہ سے کچھ زخمی ہو گئے تھے اس لئے اسے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن تانیا اور فلکا روزانہ اس کی مزاج پرسی کے لئے جاتے اور اکثر کھانا بھی وہیں کھاتے۔ آیا کے گھر کھانا کھانا اب تانیا کے لئے ایک کڑی آزمائش نہیں رہا تھا۔ آیا اسے حلوہ کھلانے پر پہلے کی طرح اصرار نہ کرتے، نادیا کے پیار میں دکھاوا اور مبالغہ اب کم

ہوتا جارہا تھا۔ اس مکان کی ڈبل روٹی تک اب زیادہ مزیدار لگتی تھی۔ صوفے پر پڑی ہوئی ایا کی چمڑے کی بیلٹ بھی اب مختلف معلوم ہوتی اور تانیا اسے اکثر اپنی کمر کے گرد باندھ لیتی۔ تانیا اپنی زندگی میں اس سے زیادہ سکھی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

چھٹیاں ختم ہوئیں اور اسکول کھل گیا۔ وہ بستے کے بجائے کتابیں بغل میں داب کر اسکول لے جایا کرتی اور کلوک روم میں داخل ہو کر اپنے کوٹ کو اتارنے سے قبل کتابوں کو بڑے آئینے کی میز پر پھینک دیا کرتی تھی۔

اس دن اس نے عادت کے مطابق کتابیں میز پر ڈالیں اور آئینے پر نظر ڈالی۔ اس واقعے کے بعد سے جب اسی آئینے نے اس کو اتنی بے رحمی سے سزا دی تھی وہ اس میں اپنا عکس دیکھنے سے بچتی تھی ــــ لیکن اس بار اپنا چہرہ یا پرچھائیوں والی آنکھیں دیکھنے کے بجائے آئینے میں ایک ایسی چیز پر نظر پڑی جس کا اس کی ذات سے کوئی تعلق نہ تھا ــــ بچوں کا ایک ہجوم آدھا گھیرا بنائے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ ان کی پشت آئینے کی طرف تھی اور وہ دیوار پر جالی والے فریم میں لگا اخبار پڑھنے میں مشغول تھے۔ زینیا جو دیوار کے سب سے قریب کھڑی تھی بولی ــــ "اسی وجہ سے اس کو اپنے گروپ سے نکال باہر کرنا چاہیئے"

"ہاں ــــ بالکل ٹھیک ہے ــ" اس موٹے لڑکے نے کہا جو کولیا کے ساتھ ہی اس شہر میں آیا تھا۔

تانیا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اور اس نے گروہ کے قریب آنے کی کوشش نہ کی۔ لیکن چند منٹ بعد اس نے اس اخبار کو پہچان لیا۔ یہ ضلع کا اخبار

تھا جیسے بچے چندہ اکٹھا کر کے منگاتے تھے۔

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

اس کی آواز پر بچے اس کی طرف مڑے لیکن ایک لفظ کہے بغیر پھر اپنا رخ پھیر لیا۔ تانیا جو اپنی جماعت میں بے حد مقبول تھی، بہت حیران ہوئی۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ سب چپ رہے۔

اس نے اپنا ہاتھ مقفل فریم تک بڑھا کر پڑھا۔

"اسکول کی زندگی ـــــ اسکول نمبر دو میں عجیب وغریب معاملات کی اجازت دے دی گئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ساتویں درجے کی طالب علم تانیا سابنیوا اپنے ہم جماعت کولیا سابنیف کو حالیہ طوفان کے دوران اپنے ہمراہ کتوں کی برف گاڑی میں سیر کرانے لے گئی۔ جس کے نتیجے کے طور پر کولیا کو باقی چھٹیاں بستر پر گزارنا پڑیں۔ اسی کلاس کا ایک اور لڑکا فلکا بھاگ کر قلعہ میں کولیا کے والد کو اس امر کی اطلاع دینے کے لئے پہنچا۔ پالے نے فلکا کی ایک انگلی زخمی کر دی۔ دونوں بچوں کو فرانٹیر گارڈ نے موت کے منہ سے نکالا۔ اسکول کے عملے اور پائنیر آرگنائیزیشن نے تنظیم اور ڈسپلن سے ایسی کھلی بغاوت کی اجازت کیسے دے رکھی ہے؟"

"کیا مطلب؟" تانیا نے آہستہ سے دہرایا۔ چاروں طرف دیکھنے کے بعد اسے پتہ چلا کہ بچے جا چکے ہیں اور محض فلکا نزدیک کھڑا ہے۔

اب یکایک اسے معلوم ہوا کہ سرد طوفانی ہوائیں ہر سمت سے چل سکتی

ہیں۔ اور محفوظ ترین مکان کی مضبوط دیواروں میں سے داخل ہو کر انسان کو تھپیڑے لگا سکتی ہیں۔ اس نے اپنے ہاتھ نیچے گرا دیے۔ کندھوں سے سرک کر اس کا کوٹ فرش پر گر گیا جسے اس نے اٹھایا تک نہیں۔

"اس خبر کا ایک لفظ بھی صحیح نہیں ہے فلکا ——" اس نے دھیرے سے کہا ——

"ظاہر ہے بالکل صحیح نہیں ہے۔" فلکا نے اسی دھیمی آواز میں جواب دیا اور اسے اپنی پٹی بندھی ہوئی انگلی دکھا کر بولا۔ "انگلی میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہے۔ پتہ نہیں ان اخبار والوں نے کیا سوچا۔ میں نہیں جانتا —— مگر میری بات سنو تانیا —— میری بات سن لو ——"

تانیا کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ مشکل سے سانس لے رہی تھی۔ اور اندر جاتا ہوا سانس اسے خوفناک ترین دریائی طوفان سے بھی زیادہ کڑا اور کٹیلا معلوم ہو رہا تھا۔ کچھ نہ سنتے، کچھ نہ دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "اب میرا کیا بنے گا؟" اور اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر کمرے سے بھاگ گئی اور ہمیشہ کی طرح دوڑ بھاگ اور حرکت میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی۔

جس طرح کوئی خواب میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہے بالکل ویسے ہی گیلری میں تیز تیز چلتی، بچوں اور دیواروں سے کندھے ٹکراتی وہ موڑ پر پہنچی، ایک بوڑھے آدمی کے پاس سے بچ کر نکلی جس نے ایک رومال اس کے چہرے کے سامنے لہرایا۔ حالانکہ یہ بوڑھا آدمی ہیڈ ماسٹر تھا لیکن تانیا نے اسے "صبح بخیر!

بھی نہ کہا۔ بوڑھے نے اداسی سے سر ہلا کر تاریخ کے استاد اریسترخ پر نظر ڈالی جو گیلری میں اپنی ڈیوٹی پر کھڑے تھے۔

"یہی لڑکی ہے ــــ" تاریخ کے استاد نے کہا۔ "مجھے مطلق غم نہیں کہ میں نے اخبار والوں کو اس واقعے کی اطلاع دی ــــ"

تانیا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گیلری میں چلتی رہی۔ اب کیا کرنا چاہئے ــــ؟ کوئی نہ کوئی آفت ہمیشہ اس پر منڈلاتی رہتی تھی۔ میرے سارے دوست کہاں ہیں؟ اس نے سوچا۔ اور اسے یہ خیال نہ آیا کہ وہ خود ہی اپنے دوستوں سے بھاگ رہی تھی۔

۱۷

فلکا سے زیادہ اس بات کو کوئی نہ جانتا تھا کہ اس نے وہ اطلاع محض تانیا کی مدد کرنے کے لئے دی تھی۔ لیکن اس روز اسے اپنا اور اپنے دوستوں کا برتاؤ قابل اطمینان نہیں معلوم ہوا۔ پہلے تو اس نے گیلری میں تانیا کا پیچھا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن تاریخ کے استاد کے اونچے کندھوں اور بڑی سی عینک کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ کلوک روم میں اخبار اسی طرح موجود تھا۔ تانیا کی کتابیں اس کے سموری کوٹ کے پاس فرش پر پڑی تھیں اس چمکیلے قیمتی کوٹ کو بچوں نے بے پرواہی سے قدموں تلے روند ڈالا تھا۔ فلکا اپنی عادت کے مطابق گہری سوچ میں ڈوب گیا ــــ اس نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر پرانے زمانے کے سورما ــــ اور سرخ ستارے والی ٹوپیاں اوڑھے نئے زمانے

کے سورما ـــــ فوجی مارچ کے دوران ایک دوسرے کی مدد نہ کرتے تو کبھی فتح مند نہ ہو سکتے تھے۔ اگر آپ کے دوست تل اوٹ پہاڑ والی کہاوت پر عمل کرکے آپ کی پیٹھ مڑتے ہی آپ کو بھلا بیٹھیں تو آپ کو واپس آنے کا راستہ بھی کبھی نہ ملے گا۔ اور اگر ایک تنہا شکاری جنگل میں اپنا چاقو کھو بیٹھنے کے بعد پہلے اجنبی راہگیر پر اتنا بھروسہ نہ کر سکے کہ اس سے پوچھے "کہو میاں میرا چاقو کہیں پڑا دیکھا ہے؟" تو وہ جنگل میں چین کی نیند کبھی نہیں سو سکتا۔ بچوں کے ہجوم میں فلکا فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ بچوں کے پیروں تلے اس کی انگلیاں دب دب گئیں مگر اس نے تانیا کی کتابیں سمیٹیں اور پوری طاقت کے ساتھ سموری کوٹ بچوں کے پیروں تلے سے گھسیٹنا چاہا لیکن نمدے کے جوتوں والے بھاری قدم مضبوطی سے کوٹ پر جمے ہوئے تھے ـــــ یہ اس موٹے بدتمیز لڑکے کے پاؤں تھے جسے تانیا ناپسند کرتی تھی۔ وہ کولیا کے سامنے کھڑا زور سے چلّا رہا تھا۔

"میں ہزار بار دہراؤں گا ـــــ تمھاری تانیا رانی کو اسکول سے نکال دینا چاہیئے۔"

گرم ٹوپی اوڑھے پیلے چہرے والا کولیا موٹے لڑکے کو خاموشی سے تکتا رہا۔ غصّے کے مارے کولیا کا دم سا گھٹ گیا تھا۔ مگر اس نے آہستہ سے کہا ـــــ

"ایک لفظ اور تانیا کے خلاف کہو، میں تمھارے موٹاپے کے باوجود پلّے کی طرح اٹھا کر تمھیں باہر پھینک دوں گا۔"

"تم ـــــ تم مجھے اٹھا لوگے؟" موٹے نے قہقہہ لگایا "بچّو تم مجھے میری

جگہ سے ہلا تک نہیں سکتے ۔"

کولیا اپنی تازہ بیماری کی وجہ سے بے حد کمزور ہو چکا تھا۔ موٹا کولیا کے گھونسہ لگانے ہی والا تھا کہ فلکا نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے ایسے زور کا تھپڑ مارا کہ موٹا فرش پر لڑھک گیا۔ اس کے بعد فلکا نے تانیا کا کوٹ اٹھایا، احتیاط سے اس کی گرد جھاڑی اور اسے کھونٹی پر ٹانگ دیا۔ پھر اس نے موٹے لڑکے کو جسے دن میں تارے نظر آ گئے تھے، کندھے پکڑ کر اٹھایا۔ اور اپنی زخمی انگلی لہرا کر کہا ــــ

"میاں صاحبزادے تم ہمارے شہر میں اور اس اسکول میں ابھی نئے ہو۔ ذرا انسان بننے کی کوشش کرو ــــ یقین رکھو تمہیں تو میں بالکل سیدھا کر دوں گا ۔"

ابھی اس نے بات ختم ہی کی تھی کہ تاریخ کے استاد ارلیسترخ وغیرہ سر پر آن کھڑے ہوئے ۔ نوجوان پائینروں کا لیڈر کوستیا اور نرم دل بوڑھے ہیڈ ماسٹر ان کے ساتھ تھے ۔

"تانیا کو فوراً میرے پاس بھیجو ــــ" ارلیسترخ وغیرہ نے حکم دیا ۔

فلکا اور موٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر دونوں نے کولیا پر نظر ڈالی ــــ اس کے بعد ان تینوں نے نظریں جھکا لیں۔ اب وہ ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور مار پیٹ کے لئے بالکل آمادہ نہ رہے تھے ۔

"معلوم نہیں تانیا کہاں ہے ؟ ہم نے اسے کہیں دیکھا ہی نہیں۔ پھر ہم اسے آپ کے پاس کس طرح بھیج دیں ؟" تینوں نے اکٹھے ہو کر کہا۔ اور تینوں یا نہوں میں یا نہیں ڈالے ایک مقبول گیت گنگناتے گیلری کے دوسرے کونے کی طرف چل دیئے۔

"ڈرو مت دوستو ــــ تم اکیلے نہیں۔
گرناڈا ــــ گرناڈا ــــ گرناڈا ــــ میری جاں"

۱۸

دن بھر وہ یہی گیت گنگنایا کئے۔ لیکن تانیا کلاس میں نہیں آئی۔ اور جب شام تک اس کا اتہ پتہ کہیں نہ ملا تو اس نغمے نے ان کے ہونٹوں پر دم توڑ دیا۔ آخری گھنٹے میں وہ تینوں خاموش بیٹھے رہے ــ ان کا دھیان کہیں اور تھا۔ ان کے قلم ان کے ہاتھوں سے گر گر پڑتے تھے۔ ایگزنڈرا ایوالو دابھی بہت خاموش تھیں بڑی فکر مند معلوم ہو رہی تھیں وہ۔ ان کے سینے پر لٹکتا ہوا ستارہ تک دھندلا سا گیا تھا۔

"تانیا کہاں ہے بچو ؟ کیا ہم لوگ اسے ڈھونڈ نہیں سکتے ؟ تم لوگ تو اس کے دوست ہو نا ــــ ؟ اسے تلاش کرو"

پڑھائی کے بعد اسکول بہت سنسان ہو جاتا ہے۔ شور اچانک اس طرح اچانک ختم ہو جاتا ہے جیسے جنگل پر یکایک بارش برس جانے کے بعد خاموشی سی چھا جاتی ہے اور بوندوں کے بوجھ سے جھکے پتے لرزتے

رہتے ہیں۔ کسی بچے کی آواز کی طرح جو گیلری کے سرے پر بارش کے آخری قطرے کی طرح گنگنا اٹھے، یا چٹانوں پر سے بہتی ہوئی ہوا کی مانند فرش پر سے گزرتے تیز رفتار قدموں کے علاوہ اسکول کا یہ سناٹا بالکل مکمل ہوتا ہے۔

لیکن آج تو قدموں کی آواز ختم ہی ہونے میں نہ آتی تھی۔ بچے گیلری میں سے متواتر گزر رہے تھے اور صحن میں جمع ہو کر تانیا کے بنائے ہوئے برف کے سنتری کا چکر کاٹ رہے تھے۔ بھیگی بھیگی ہوا سنتری کے کندھے چاٹ گئی تھی اور اس کی "فولادی ٹوپی" پر سے برف کے قطرے ٹپک رہے تھے لیکن وہ دور خلا میں اس طرح تک رہا تھا جیسے اس کے سامنے غصیلا سمندر ہو۔

"شاید وہ پھر دریا کے کنارے چلی گئی ـــــ" کولیا نے فلکا سے کہا ـــــ

یا شاید جنگل میں جا کر پہلے کی طرح رو رہی ہو ـــــ فلکا نے اپنے آپ سے کہا۔

وہ دونوں پھاٹک پر جا کر الگ الگ راستوں پر روانہ ہو گئے کولیا اسکیٹنگ رنک پہنچا، چٹانوں سے اتر کر بجروں کی طرف گیا، برفیلی پگڈنڈی سے نکل کر جمی ہوئی برف کی سطح پر جا پہنچا۔ دریا پہچانا نہ جاتا تھا۔ ہر طرف برف کے پرسکون ریلے بہہ رہے تھے اور پہاڑ برف سے چمک رہا تھا۔ رنگ میں صنوبروں کے پتے غائب ہو چکے تھے۔ برف نے ان کو نگل لیا تھا۔

کولیا نے کئی بار تانیا کو پکارا مگر دریا خاموش رہا اور اس کی چمک نے کولیا کی آنکھیں چکا چوند کر دیں۔

شہر کی دوسری طرف فلکا جنگل کے کنارے کھڑا تانیا کو آوازیں دے رہا تھا۔ جب وہ پچھلی بار یہاں آیا تھا اس وقت ہلکی ہلکی برفباری شروع ہوئی تھی لیکن آج گہری برف نے درختوں کو اپنے بوجھ سے جھکا دیا تھا۔ فلکا چلاتا رہا۔ اگر اس کی پکار کا، آواز کی گونج ہی نے جواب دے دیا ہوتا تو فلکا وہیں جھاڑوں میں گر کر خوشی سے رو پڑتا۔ لیکن خاموشی اسی طرح چھائی رہی اور فلکا جنگل سے ناکام واپس لوٹ آیا۔

اسکول کے پھاٹک پر اسے کولیا ملا۔ ان دونوں نے تاریک کلوک روم کے اندر جاکر بے حد پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ "اب کیا کریں؟" فلکا نے پوچھا۔

اچانک انھیں اس کونے میں سے جہاں چوکیدار نے انگیٹھی میں جلانے کا ایندھن جمع کر رکھا تھا سسکیوں کی آواز آئی۔

"تانیا ـــــ!" دونوں لڑکے چلائے۔

لیکن وہ زینیا تھی۔ وہ انگیٹھی اور دیوار کے درمیان منہ چھپائے دبکی بیٹھی تھی۔ فلکا نے اس کے کندھے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ اور پوچھا:۔

"کیا بات ہے؟"

"شاید ـــــ شاید تانیا مر گئی ـــــ" زینیا نے سسکی بھر کر جواب دیا۔

کولیا ایک کونے میں اپنے گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

لیکن اس سارے وقت بی تانیا دوسری منزل کے ایک کمرے میں جہاں پائینرز اپنا سامان رکھتے تھے سوئی پڑی تھی۔ چاروں طرف جھنڈیوں پوسٹروں اور اعلان کی تختیوں کا ڈھیر لگا تھا . . . . اور بگل کھونٹیوں پر ٹنگے تھے۔ تھکی ہاری اور پریشان حال تانیا کونے میں پڑے ہوئے ایک گدے پر جہاں وہ صبح سے بیٹھی ہوئی تھی، اب بے خبر پڑی سو رہی تھی۔ لیکن اس مہربان نیند میں بھی وہ خواب دیکھنے سے باز نہ آسکی۔ اس نے خواب میں دیکھا جیسے وہ پائینرز کی میٹنگ میں موجود ہے۔ اسی کمرے میں سب ساتھی جمع ہیں۔ وہ ڈھولکوں، اسٹولوں اور سیاہ موم جامے سے منڈھے لکڑی کے گھوڑے پر چڑھے بیٹھے ہیں ان کے انداز میں دھمکیاں چھپی ہیں، چہروں پر سنجیدگی طاری ہے اور ان کی نظریں اس کے دل کو چھیدنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن لعن طعن کے یہ تیر اس تک پہنچنے سے پہلے ہی جیسے ان دیکھی ڈھال سے ٹکرا کر لوٹ جاتے ہیں۔

ایک اجنبی حکم دیتا ہے۔" اس لڑکی کے معاملے کی جانچ کر کے دو ٹوک فیصلہ کرو ـــــ دو ٹوک فیصلہ ـــــ" اجنبی کا حلیہ بہت انوکھا سا ہے ـــــ اوورکوٹ میں بڑی سی جھالر۔ قیمتی نیولے کی کھال کا چمکدار کالر اور لمبے لمبے بال جنھوں نے اس کا چہرہ چھپا رکھا ہے۔

"اس کا فیصلہ کرو ـــــ کیوں کہ یہ لڑکی بے رحم ہے ۔"

"ہاں بے حد بے رحم ہے" ـــــ زینیا کہتی ہے ۔

"اس نے میری حسین سنہری مچھلی تلوا ڈالی ۔ اس کا فیصلہ کرو ـــــ کیوں کہ اس لڑکی کے دل میں جلن اور حسد بھرا ہوا ہے ۔"

"بالکل ٹھیک ـــــ بالکل ٹھیک ـــــ" موٹا لڑکا کہتا ہے ـــــ "یہ لڑکی کولیا سے جلتی ہے ۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ یہ کولیا سے بے طرح جلتی ہے ۔ یہ جان بوجھ کر کولیا کو طوفان میں لے گئی تھی ـــــ یہ چاہتی تھی کہ کولیا مر جائے ـــــ"

یہ خواب دیکھتے ہوئے تانیا بالکل بھونچکی سی رہ گئی ۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی اس کے ہونٹوں پر آتے ہوئے الفاظ پتھر کے بن گئے ۔

الوکھا اجنبی اس کے قریب آیا اور وہ دیوار سے لگ گئی ۔ ڈر کے مارے اس کا برا حال ہو گیا کیوں کہ یہ آدمی عظیم روسی ادیب گوگول تھا جس کی تصویر کمرے کی دیوار پر لگی تھی ۔

"میں اتنی دکھی ہوں ۔ میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ۔ میں بالکل بے قصور ہوں ۔" تانیا نے گوگول سے سرگوشی میں کہا ۔ بڑے بڑے چمکیلے بادل کھڑکی میں سے داخل ہوئے اور کمرہ بادلوں سے بھر گیا ۔ تانیا کے دیکھتے دیکھتے یہ بادل اونچے اونچے قد والے فوجی سرداروں میں تبدیل ہو گئے ۔ اور ان کے ہتھیاروں اور زرہ بکتروں میں سے نکلتی روشنی نے فرش پر پہنچ کر ننھی منی گنگناتی ندیوں کا روپ دھار لیا جو تانیا کے قدموں کی سمت

بہنے لگیں۔ تانیا نے اپنے پاؤں سمیٹ کر ہوا میں اٹھنا شروع کیا۔ جس طرح لوگ خواب میں اڑتے ہیں اسی طرح تانیا بھی اڑنے لگی۔ اور کمرے اور اپنے پسندیدہ درخت کو پیچھے چھوڑ کر اوپر نکل گئی۔ کوئی اس کا پیچھا نہ کر سکا۔ وہ درخت کی کسی ایک پتّی کو چھوئے بغیر اس کے اوپر اوپر بڑی نفاست سے منڈلاتی رہی۔

پھر وہ ایک ایسے راستے پر چل پڑی جس کے چاروں طرف ساری دنیا پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھی، نیلی بیری کی جھاڑیاں اس کے قدموں میں سرسرائیں۔ چڑھائی مشکل ہوتی گئی۔ چٹانیں اور ندیاں گڑگڑاتی ہوئی اس کی طرف بڑھیں۔ وہ چوٹی پر پہنچ گئی۔ سامنے ڈھلوان تک پھیلا ہوا جنگل تھا۔ بڑا عجیب سا جنگل۔ ایسا جنگل اس نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے درخت سفید کلیوں سے لدے تھے اور ان کی نیچی نیچی ڈالیاں زمین پر پھیلی ہوئی تھیں۔ سورج کی روشنی میں نہائی، گلابی پنکھڑیاں ہوا میں خاموشی سے چکر کاٹ رہی تھیں۔ تانیا بے حد خوش ہوئی "کیا ہے یہ سب؟" اس نے سوال دیا۔

"پھلتے پھولتے درختوں کا کنج ــــ" چٹانوں اور ندیوں کی طرف سے جواب آیا۔

"لیکن صنوبر کے پیڑ کہاں گئے؟" تانیا نے پوچھا۔

لیکن جنگل ایک دم غائب ہو گیا۔

تانیا چلتی رہی۔ اس مرتبہ سڑک سیدھی اور ہموار تھی۔ رائی کے کھیت کے

کنارے پہنچ کر وہ رک گئی۔ چیلوں کی مانوس پرچھائیاں اس کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ ہچکولے کھاتی کشتی میں سے اوپر دیکھو تو آسمان بھی ہچکولے لیتا نظر آتا ہے۔ اسی طرح کھیت بھی اوپر سے نیچے ہو رہا تھا۔ اور سرسرا رہا تھا۔

"کتنا خوب صورت منظر ہے۔ یہ کاہے کا کھیت ہے؟" "پکتا ہوا اناج" کھیت نے جواب دیا۔

کس قدر خوب صورت!! ــــ کیا یہ سب سپنا ہے؟ ہاں ــــ میں سو رہی ہوں ــــ اور خواب دیکھ رہی ہوں" تانیا نے چپکے سے کہا۔

اچانک ایک سایہ سورج پر آگرا اور کہرے میں گھرے سیاہ بادلوں کے ٹکڑے کھیت پر سے زناٹے سے گذرتے ہوئے تانیا کی جانب بڑھے۔ بال جیسی باریک اور عجیب و غریب بجلی کے کوندے کھیت کے اوپر لپکنے لگے تانیا سہم کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ آسمان پر بادل کڑکے اور گرجتے چلے گئے خواب ختم ہو چکا تھا لیکن اس کی آنکھ نہیں کھلی۔ بجلی اور بادل اسی طرح کڑکتے اور گرجتے رہے۔

گودام کے باہر گیلری میں ایک ننھی لڑکی اپنے گلے میں لٹکا ہوا ڈھول دھما دھم بجا رہی تھی۔ اس کی نظریں اپنے ہاتھوں میں تھمی ڈھول بجانے کی لکڑیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ڈھول بجانے کی مشق کر رہی تھی۔

ڈھول کی اس گھن گرج کے جواب میں دوسرے بچے آگے پیچھے دوسری منزل پر آج پہنچے ــــ کولیا ــــ فلکا ــــ زینیا ــــ موٹا لڑکا۔ اور ان کے پیچھے پیچھے پائنیر لیڈر کوسٹیا اور استانی الگزنڈرا الوانووا

آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے اس لئے ڈھول کی آواز کے برعکس چھت کے نیچے ان کی آوازیں نہیں گونجیں۔

کولیا دروازے پر رک کر دوسروں کا انتظار کرنے لگا۔ "یہ کمرہ خالی ہے ہم لوگ یہاں اپنی میٹنگ کر سکتے ہیں" اس نے کہا۔ اور دروازہ کھول کر چاروں طرف دیکھے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اور گو اس کی آنکھیں اس وقت تانیا کو نہیں ڈھونڈ رہی تھیں مگر اس کا دماغ اور اس کا دل تانیا ہی کی تلاش میں مصروف تھا۔ کیونکہ تانیا اس کے خیالوں میں برابر چھائی ہوئی تھی۔

اونچی چھلانگ کی مشق میں استعمال کئے جانے والے گدّے پر تانیا کو سوتا دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس نے تانیا کو پکارنا چاہا مگر الفاظ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے نیچے جھک کر تانیا کے کندھے چھونے چاہے مگر پھر ارادہ بدل دیا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی اور اس کی پلکیں ابھی تک آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ دوسرے بچے بھی تانیا کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"سونے دو اسے۔ جگاؤ نہیں" زینیا نے چپکے سے کہا۔

زینیا دراصل دل کی بری نہیں تھی گو اس کے پسندیدہ فقرے "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا" تانیا کو اکثر رلا رلا دیا تھا۔

"کیا ہم تانیا کے بغیر اپنی میٹنگ نہیں کر سکتے؟ کولیا نے ہم کو سارا واقعہ بتا دیا ہے اور ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ اصل بات کیا تھی ——" زینیا نے پوچھا۔

الگزنڈرا الوانو دوا ایک لمحہ کے لئے سوچتی رہیں اور بچوں کے چہروں

کا جائزہ لے کر ان کی فراخدلی کا اندازہ لگایا۔ بلا ارادہ مسکرائیں اور اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ٹھیک ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کو سٹیا بھی میری رائے سے اتفاق کریں گے ——" انھوں نے کہا۔

کوسٹیا نے اپنے پائینرز پر نظر ڈالی۔ ظاہر تھا کہ سب ہی لوگ اب تانیا کو کسی مزید صدمے سے بچانے کے خواہش مند تھے۔

"ڈسپلن بھی شرط ہے —— مگر یہ ایک خاص کیس ہے۔ اس لیے ہم میٹنگ میں تانیا کی شرکت پر اصرار نہیں کریں گے۔ اگر تم سب کی رائے ایک ہو تو کچھ مناسب فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔" کوسٹیا نے کہا۔

کولیا نے فلکا کو اشارہ کرتے ہوئے کہا "ذرا اس لڑکی سے جا کر کہو اگر اس نے اپنا ڈھول بجانا بند نہیں کیا تو میں اس کی جان نکال دوں گا۔"

فلکا باہر گیا اور ڈھول والی لڑکی کے کندھے پر ایک گھونسا رسید کیا۔ گھونسا بے حد ہلکا پھلکا تھا مگر پھر بھی لڑکی لڑکھڑا گئی۔

"اندر کوئی بسور رہا ہے اور تم نے شور قیامت مچا رکھا ہے —— شرم کرو ——" اس کے بعد وہ سب ہلکے پھلکے قدم رکھتے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ڈھول والی لڑکی چپ چاپ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

بچوں کے جانے کے بعد تانیا جاگی اور تن تنہا اپنے گھر روانہ ہو گئی ۔ شفق کی سرخی نے گھر کے دروازے تک اس کا ساتھ دیا ۔ شام کی تازہ ہوا نے اسے تازہ دم کر دیا ۔ کندھوں پر سے ایک بوجھ سا اتر گیا مگر ضمیر کی خلش کانٹے کی طرح چبھا کی ۔

اماں کو صدمہ پہنچائے بغیر یہ سارا واقعہ کس طرح ان کو سنایا جائے ؟

لیکن اماں باہر گئی ہوئی تھیں ۔ اماں کی غیر موجودگی پر پہلی بار اسے غصّہ آیا ۔ انّا سے چائے کھانے کی فرمائش کئے بغیر وہ جوتوں اور اسکول کے کپڑوں سمیت بستر پر جا گری ۔

" جانے دو ـــــ مارو گولی ـــــ " اس نے اپنے آپ سے کہا ۔ " میں نے کوئی غلطی نہیں کی ۔ یہ میرا قصور تو نہیں ہے کہ بات اس طرح بگڑ گئی میرے کوئی بہن یا بھائی نہیں ، یہ بھی میرا قصور نہیں ۔ مجھے بلاوجہ سزا ملنے والی ہے ۔ انّا اتنی بوڑھی ہو گئی ہیں گھر میں اور کوئی مجھ سے بات کرنے والا نہیں ۔ مجھے اکیلے رہنا پڑتا ہے ۔ یہ سب اماں کا قصور ہے ۔ ابّا نے انھیں کیوں چھوڑ دیا ہے ؟ اس کی ضرور کوئی وجہ رہی ہو گی ـــــ "

تانیا کمرے کی روشنی جلائے بغیر دیر تک اسی طرح اندھیرے میں پڑی سوچتی رہی ـــ وہ اماں کے انتظار میں جاگنا چاہتی تھی لیکن آخر اسے نیند آ گئی ۔

کسی نے اس کا کندھا ہلایا ۔ کمرے میں بتی جلی مگر وہ فوراً نہیں جاگی ۔ کچّی نیند میں اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے دھندلی دھندلی سی اماں اپنے

اوپر جھکی نظر آئیں ۔ ان کے مدھم سے چہرے پر پریشانی طاری تھی ۔ نظروں میں سختی تھی ۔ یکبارگی تانیا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اماں نے اسے طمانچہ لگانے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہے ۔

وہ چیخ کر اٹھ بیٹھی ۔ اماں کی تیوری پر بل پڑے تھے ۔ "کپڑوں سمیت کیوں سو گئیں ؟ کتنی بار کہا ہے کہ پہلے لباس تبدیل کیا کرو ـــــ چلو اٹھو ـــــ" انھوں نے ڈانٹ کر کہا ۔

تانیا فوراً سمجھ گئی کہ اماں محض کپڑے نہ بدلنے پر خفا نہیں ہیں ۔ "اٹھ کر چائے پیئو ـــــ تمھارے ہیڈ ماسٹر نے مجھے بلایا تھا ۔ اٹھو میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں ۔" لیکن تانیا پلنگ کی پٹی پکڑے بیٹھی رہی ـــــ اماں اس کے قریب بیٹھ گئیں ۔ انھوں نے اس کے بازو پر نرمی کے ساتھ آہستہ سے ہاتھ رکھا اور تانیا کو احساس ہوا کہ وہ بے حد پریشان ہیں ۔

"یہ سارا معاملہ ہے کیا ؟ ـــــ کیا ہوا ہے ؟"

"سب غلط ہے ـــــ جو کچھ ان لوگوں نے آپ سے کہا آپ نے یقین کر لیا ؟" تانیا کی آواز بھاری پڑ چکی تھی ۔ وہ سارے دن گم سم اور خاموش رہی تھی ۔

"میں نے بالکل یقین نہیں کیا ۔ دوسروں کو بھی اس بات کا یقین نہیں ۔ صرف اریسترخ کا اصرار ہے کہ تم کو اسکول سے نکال دیا جائے ۔"

"کیوں ـــــ ؟"

" ان کا خیال ہے کہ تمھارے جیسے بچے دوسروں پر برا اثر ڈالیں گے عجیب

مسخرا اور بے وقوف آدمی ہے تمہارا ہسٹری ٹیچر ۔۔۔!" وہ مسکرائیں لیکن تانیا نہ مسکرا سکی۔

"تمہارے بہت سے دوست ہیں۔ انگہ نڈرا الیوالنو دا اور ہیڈ ماسٹر کو بھی تم سے ہمدردی ہے۔ ہیڈ ماسٹر بہت نرم دل اور ذہین انسان ہیں۔ گو وہ تمہارے ابا سے البتہ بہت ناراض تھے۔"

"ابا بھی وہاں آئے تھے؟"

"ہاں۔" اماں نے نظریں جھکالیں۔ ان کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔

"مجھے اس خبر کا افسوس نہیں ہے جو اخباروں میں چھپ گئی ہے۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔ تم مجھ سے اپنے متعلق کوئی بات نہیں کہتیں۔ دوسرے لوگ ہی بتاتے رہتے ہیں۔ اجنبیوں نے مجھے کولیا کے بارے میں اور تمہاری عجیب و غریب حرکتوں کے متعلق بتایا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بچوں نے تمہیں "ڈنگو" کا خطاب دے رکھا ہے۔ کچھ عرصے سے تم بے حد خاموش اور اپنے کو لیے دیئے رہتی ہو۔ کیا تم کو مجھ سے ڈر لگتا ہے، تمہیں مجھ سے محبت نہیں؟ بتاؤ۔"

تانیا نے اپنا سر ہلایا۔ کچھ کہنا اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ "میں ہمیشہ اکیلی رہتی ہوں۔ ہمیشہ تن تنہا ۔۔۔" آخر اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "ابا نے ہم لوگوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ مجھے بتا دیئے۔ اس قطع تعلق میں کس کا قصور تھا۔"

اماں نے فوراً جواب نہیں دیا۔ تانیا ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی۔ دو تین منٹ تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس کی ماں نے پُرسکون

اور مضبوط آواز میں کہنا شروع کیا۔

"لوگ اس لئے اکھٹے رہتے ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے۔ اور اگر محبت ختم ہو جائے تو انھیں ایک دوسرے سے جُدا ہو جانے کی آزادی حاصل ہے۔ ہماری صورت حال یہی ہے اور اسی طرح قائم رہے گی"۔ وہ رک گئیں اور تانیا نے بڑی احتیاط سے سر جھکا کر اس طرح نظریں اونچی کیں جیسے ایک چھوٹی سی چڑیا اڑنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کرتی ہے کہ اوپر کوئی خطرہ تو نہیں

اماں سر اٹھائے ساکت بیٹھی تھیں ان کے چہرے سے شدید دکھ ظاہر ہو رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی بے حد تکلیف دہ عذاب برداشت کر رہی ہوں۔ جیسے کوئی انھیں سچ مچ کے کوڑے مار رہا ہو۔

اماں کو اتنا دکھ کون پہنچا رہا ہے؟ تانیا نے بے انتہا صدمے کے ساتھ سوچا۔ اماں کی حسین ترین آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

"کہو تو ہم لوگ اس شہر ہی کو چھوڑ دیں۔"

"تانیا حیرت سے چلائی ——— "تم ابا کو اب بھی بے انتہا چاہتی ہو ——— ؟!"

وہ بے اختیار ہو کر ان سے لپٹ گئی۔

"اماں میری کوئی بات نہ سنو ——— میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ——— میرا سر چکرا رہا ہے"

ساری دنیا غبارے کی مانند اس کے گرد چکر کاٹنے اور گھومنے لگی۔

اسے ایک فلم کا گانا یاد آیا ——

"میرا پیارا غبارہ

اڑتا جائے —— ناچے گھومے چکّر کھائے"

یہ غبارہ کبھی شام کے اندھیرے کی طرح کالا نظر آرہا تھا —— کبھی کہرے کی طرح دھندلا۔ کبھی دھوپ میں جگمگاتے دریا یا اس خواب میں دیکھے ہوئے پھلوں کے باغ کی طرح چمکیلا ——

"گھوم گھوم کر نیچے۔

گرنے کو تیار —— میرا پیارا غبارہ"

"اماں یہاں سے نہ جاؤ —— ہم لوگ یہیں رہیں گے" اس نے سرگوشی میں کہا اور اس کے آنسو اماں کے آنسوؤں میں رل مل گئے۔

۲۰

"محبت کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں" زینیا نے اعلان کیا۔ وہ تانیا کے ساتھ اپنے کمرے میں کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ کھڑکی میں مچھلیوں کے مرتبان میں تازہ پانی بھرا ہوا تھا۔ اب ان دونوں میں بڑی دوستی ہوگئی تھی۔ مرتبان کے کانچ میں سے موسم بہار اور سامنے کی سڑک کا منظر آڑا ترچھا دکھائی دے رہا تھا۔ کھڑکی کے سامنے سے سورج بڑی کاہلی سے گزر رہا تھا اور گرد و غبار کے ذرّے تنی ہوئی رسّی پہ چلنے والے ماہر بازی گروں کی طرح اس کی کرنوں پہ ناچ رہے تھے۔ جب مرتبان کی کوئی ننھی منّی مچھلی اپنی دم ہلاتی تو یہ ذرّے

ہیرے کی کنّی کی طرح بکھر جاتے۔

سڑک پر بوڑھے لوہار نے اپنی صدا لگائی اور تانیا نے سوچا کہ یہ بوڑھا ہی موسم بہار کا پیغامبر ہے۔

"تم نے کبھی محبت کی ہے؟" تانیا نے سوال کیا۔

"ہاں۔ زمانا ہوا۔ جب میں تیسری جماعت میں تھی۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا تھا کہ محبت ہوگئی ہے۔؟"

"بڑی مشکل بات تھی۔ وہ کہتا تھا ـــــ زینیا لاؤ میں تمھارے حساب کے سوال نقل کر دوں ـــــ میں کہتی ـــــ نہیں نہیں ـــــ میں جانتی تھی کہ سوال نقل کروانا بُری بات ہے پھر وہ کہتا ـــــ زینیا ـــــ میں تمھیں کبھی تنگ نہیں کروں گا ـــــ لاؤ اپنی کاپی دو ـــــ میں سارے سوال نقل کیے دیتا ہوں ـــــ اور میں اسے کاپی دے دیتی بس انکار نہیں کر سکتی تھی۔ دل پر اختیار نہیں تھا لیکن وہ دور ختم ہو گیا۔ میں نے خود ختم کر دیا۔ مجھے احساس ہوا کہ مجھے اسکول کے کام میں کم نمبر ملنے لگے ہیں۔ تو میں سوچا۔ بس بی بی ختم کرو اس قصے کو۔"

"مگر یہ قصہ تم نے ختم کیسے کیا؟"

"بڑی آسان بات تھی میں نے بس اس کی طرف دیکھنا ہی چھوڑ دیا۔ سارے دن اس پر نظر تک نہ ڈالی۔ پھر دوسرے روز ـــــ بس اسی طرح اس کا خیال دل سے نکل گیا۔"

تانیا بیٹھی مچھلیوں کے مرتبان کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی سہیلی کو

بڑی سنجیدگی سے دیکھا۔ اور اس کے صحت مند گول گپّے گالوں اور سنجیدہ دماغ پر اسے بڑا رشک آیا۔ زینیا کے دماغ میں ایسی حیرت انگیز عقل چھپی ہوئی تھی! اس کے ہونٹوں سے آہ نکلنے والی تھی مگر مدھم سی سیٹی نکل کر رہ گئی۔

"گھر کے اندر سیٹی نہ بجایا کرو۔ برا شگون ہے" زینیا نے کہا۔

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

"ٹھیک کہتی ہو ——" کچھ دیر بعد تانیا نے کہا —" محبت کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ اور اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر چلی گئی۔

بوڑھا لوہار چوراہے پر اپنے برتن بھانڈے کھڑکھڑا رہا تھا۔ تانیا کے گھر کے پیچھے کے جنگل میں سنگ مرمر جیسے سفید برچ کے درختوں کے گرد گھاس اُگ آئی تھی اور نیلے فر کی جڑوں پر تازی کائی کے قالین بچھ گئے تھے۔ درختوں کی شاخیں نرم و گرم ہوا کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی ہیں۔

تانیا نے فلکا کو پکارا۔ فلکا نے فوراً جواب دیا۔ وہ پیر لٹکائے ایک شاخ پر بیٹھا اپنے شکاری چاقو سے پینسل تراش رہا تھا۔ اس کے گھٹنوں پر رکھے ہوئے کتابوں اور کاپیوں کے بوجھ نے اس کے دماغ کو اور درختوں کی پھننگوں کو اپنے بوجھ سے دبا رکھا تھا۔ اور سارا جنگل اس بوجھ تلے دبا ہوا ڈول رہا تھا۔ فلکا اسکول میں بڑی محنت سے دل لگا کر پڑھتا تھا۔

دریا کے کنارے والے اس ڈرامائی دن کے بعد سے فلکا اور تانیا ہمیشہ اکٹھا رہتے تھے۔ اسکول کا سارا کام اکٹھے کرتے تھے اور فلکا تانیا کے حافظے کی تیزی سے فائدہ اٹھاتا تھا۔

تانیا پیڑ کے نیچے پہنچی - اچک کر ایک شاخ پکڑی اور خود بھی درخت پر چڑھ گئی - اس ٹنڈ منڈ درخت پر فلکا کی دوسرا اتھ میں بیٹھنا اسے بے حد آرام دہ معلوم ہو رہا تھا -

"کل امتحان ہے اور تم گھنٹے بھر کے لیے غائب ہوگئیں - خود سب کچھ جانتی ہو اس لئے پرواہ نہیں - کوئی دوسرا فیل ہو یا پاس تمھاری بلا سے - اور میں تو خیر فیل ہوں گا ہی - اگر پڑھنے میں زیادہ وقت لگاتا تو دوسری بات تھی - مشکل یہ ہے کہ جب تمھاری سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے تب ہی تم موجود نہیں ہوتیں -"

"لیکن فلکا! جتنی دیر تک میں زینیا کے گھر رہی اتنی دیر میں تم ایک تھیورم تو یاد کر ہی سکتے تھے -"

"کوشش کی مگر کچھ پلے نہیں پڑا -" فلکا نے جواب دیا -

"چلو کاپی نکالو ـــــ اگر دو دائروں کا ایک مشترک مرکز ہو" ہوا میں سرسراتی پتیوں کو دیکھتے ہوئے تانیا نے شروع کیا -

لیکن فلکا پینسل بنانے میں جٹا رہا - اس کے چاقو کا پھل دھوپ میں جنگلی کبوتر کے پر کی طرح چمک رہا تھا -

"نہیں پہلے یہ بتاؤ ـــــ کیا تم واقعی صبح سویرے کولیا کے ساتھ دریا پر جا رہی ہو ـــــ"

"ہاں تم کو بتایا تو ہے ـــــ"

"اور اسی لئے تم اپنا بہترین فراک پہنے بے پرواہی سے درختوں

پر چڑھتی پھر رہی ہو؟"

"ہاں"

"اور اگر کو لیا ڈر کے مارے نہ آیا؟"

"آئے گا"

"اگر تمھارے ابّا کو پتہ چل گیا؟"

"نہیں چلے گا پتا"

"تم کو یہ ڈر بھی نہیں کہ کوئی ان سے جا کر کہہ دے گا؟"

تانیا نے کندھے اچکائے۔

"سوائے تمھارے کسی کو معلوم نہیں۔ اور تم چغلی نہیں کھاؤ گے"

تانیا نے فلکا کو کنکھیوں سے دیکھا کہ کہیں وہ اس کا مذاق تو نہیں اڑا رہا ہے۔

فلکا اتنا سنجیدہ کبھی نظر نہ آیا تھا جتنا اس وقت تھا۔

"مجھے وہ جگہ معلوم ہے۔ وہاں پو پھٹتے ہی تیتر دانہ چگنے آتے ہیں۔ انہیں پکڑنے کا وہی وقت بہترین ہے۔ مگر تم کو وہاں نہیں جانا چاہیئے۔ بہر حال تم ایک لڑکی ہو اور لڑکیوں کا کسی ایسی جگہ کسی لڑکے کے ساتھ جانا غیر مناسب بات ہے"

"—— میں ضرور جاؤں گی" تانیا کے لہجے میں ارادے کی پختگی تھی۔

فلکا نے اندازہ لگایا کہ اب وہ کسی حالت میں اپنا ارادہ نہیں بدل سکتی۔

بلا کی نڈر لڑکی ہے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلک دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے تانیا سے پوچھا۔

"کن کھجورا ــــ" وہ دہشت سے چلائی۔ اور اپنا فراک سمیٹ کر چلاتی رہی "کن کھجورا ــــ مار دو اسے ــــ مارو ــــ جلدی۔"

فلکا نے چاقو کے ایک وار سے کن کھجورے کے دو ٹکڑے کر دیئے مگر تانیا کے فراک کا ایک ٹکڑا بھی ساتھ ہی کٹ گیا۔

اسی دہشت کے ساتھ تانیا ایک لمحے کے لئے کپڑے کا وہ کٹا ہوا ٹکڑا ہاتھ میں تھامے رہی۔ اور پھر بڑی احتیاط سے اسے کھولا خوفناک کن کھجورے کے بجائے کپڑے میں محض ایک ٹہنی لپٹی ہوئی تھی!

اس کا خوف پہلے حیرت اور پھر صدمے میں تبدیل ہو گیا ــــ اس کے فراک میں بڑا سا سوراخ بن گیا تھا۔ "اب کیا کروں ــــ اب کیا پہنوں گی میں ــــ؟"

"فلکا تم نے یہ کیا کیا؟ ــــ فلکا ــــ!"

"تم ہی نے تو کہا تھا ــــ مگر میں نے جان بوجھ کر تمہارا فراک کاٹا ہے۔ اب تو تم کولیا کے ساتھ دریا پر نہیں جا سکو گی۔"

"ضرور جاؤں گی ــــ ضرور جاؤں گی ــــ" وہ درخت پر سے کود کر بگولے کی طرح غائب ہو گئی۔

فلکا بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ جیومیٹری کی کتاب نیچے گر گئی۔ اپنے پنجوں میں اخروٹ دبائے ایک گلہری کتاب کے پاس آکر ٹھٹکی۔ غصے کے مارے فلکا نے اپنا چاقو اس پر پھینکا۔ مگر نشانہ خطا ہو گیا۔ اخروٹ چھوڑ

کر گلہری بھی تانیا کی طرح غائب ہو گئی۔

فلکا نے درخت سے اتر کر اخروٹ اٹھایا اور تانیا کے متعلق سوچتے سوچتے اسے دانتوں میں دبا کر کٹ سے توڑ ڈالا۔

۲۱

سارا شہر سو رہا تھا۔ تانیا چپکے سے باہر نکلی۔ رات کی خاموشی میں ہلکی سے ہلکی آواز بھی دور سے سنائی دے جاتی ہے۔ مگر سڑک پر اس وقت مکمل سکوت اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف تانیا سڑک پر چلی جا رہی تھی۔

وہ ایک دفعہ پہلے بھی اسی اندھیرے اور سناٹے میں اس سڑک پر چلی تھی مگر تب فلکا اس کے ساتھ تھا۔ وہ خزاں کی سرد اور اندھیری رات تھی اور بنسیاں اٹھائے وہ دونوں سردی سے کانپتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن آج کی تاروں بھری رات میں تانیا کو درختوں اور جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا راستہ آسانی سے مل گیا۔

جنگل میں داخل ہو کر وہ ایک چوڑے راستے پر چلنے لگی جہاں درختوں کا گھن کم اور اجالا زیادہ تھا۔ درختوں کی لمبی لمبی جڑوں شاخوں نے اس کا راستہ کئی بار کاٹا مگر وہ بے خوفی سے آگے بڑھتی رہی۔ ایک بار جب صنوبر کی بھیگی پتیاں اس کے چہرے سے رگڑیں تو وہ چونک پڑی لیکن انھیں اپنے سامنے سے ہٹا کر خیالوں میں ڈوبی وہ اپنی راہ طے کرتی رہی۔

اگر کولیا نے اس سے کہا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے تو وہ کیا کرے؟ اس نے اسے اس جگہ پر آنے کی خاص طور سے دعوت دی تھی۔

"ضرور آنا تانیا۔ میری خاطر آنا۔ میں نے جنگل پر سورج نکلنا آج تک نہیں دیکھا ہے ــــ ضرور آنا ــــ"

وہ آگئی تھی۔ لیکن اب کیا کرے؟ اظہارِ محبت کے موقعے پر لوگ کیا کرتے ہیں؟ خصوصاً جب آپ کی ماں کی زندگی میں آپ کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ جب کہ آپ کی ماں کی ساری زندگی صرف آپ کے لئے ہی وقف ہو؟

تانیا نے کانپ کر اپنی ماں کا سفید ڈاکٹری لبادہ اپنے چاروں طرف اچھی طرح لپیٹ لیا۔ یہ لبادہ چپکے سے لیتی آئی تھی۔ جنگل نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ منزل پر پہنچ گئی۔

کولیا ایک چٹان پر بیٹھا جنگل کو تک رہا تھا۔ سفید ریت ڈوبتے تاروں کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ اور چٹانیں اس طرح جھلملا رہی تھیں جیسے انھیں بارش نے دھوڈالا ہو۔ تانیا کی آمد پر وہ چونک اٹھا۔ سفید لبادہ میں لپٹی تانیا کو نہ پہچان کر وہ وہاں سے بھاگنے ہی والا تھا لیکن جب تانیا نے آواز دی تو وہ جھینپتا ہوا واپس لوٹا۔ وہ شرماسا رہا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ کھسکتا رہا۔ مکمل خاموشی میں وہ دونوں جنگل کے کنارے کی طرف واپس لوٹے جہاں سَرو کے درخت سوت سے لپٹی تکلیوں کی طرح کہرے میں چھپے کھڑے تھے۔

وہ دونوں ایک خوب صورت گھنے اور بلند درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔

"تم نے یہ لبادہ کیوں اوڑھ رکھا ہے" کولیا نے دریافت کیا۔

"اس لئے کہ جو فراک تم کو پسند تھا وہ پھٹ گیا ہے"

"تو کیا ہوا؟ مجھے تمہارے فراکوں کے بجائے صرف تم سے دلچسپی ہے۔ میں ہمیشہ تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔"

"ہمیشہ ___؟"

"ہمیشہ۔ جب تم سامنے نہیں ہوتی ہو جب بھی۔ عجیب بات ہے نا؟"

"ہاں عجیب بات ہے۔"

وہ درخت کی جڑ پر بیٹھ کر شاخوں کی کھڑکھڑاہٹ سننے لگے۔ چڑیوں نے جاگنا شروع کر دیا تھا۔ ایک پرندہ اندھیری ہوا میں پھُر سے اڑ گیا۔

"اس چڑیا نے ساری رات اس پیڑ پر بسر کی۔ اور پھر ایکدم سے اڑ گئی۔" تانیا نے کہا۔ "مگر مجھے خوشی ہے کہ تم میرے بارے میں سوچتے ہو۔ ہمیشہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر میں یہاں نہ ہوں تب بھی تم میرے بارے میں سوچا کرو گے۔ ہے نا؟ ___ میں جلدی ہی یہاں سے جانے والی ہوں۔ پتا ہے تمھیں ___؟"

کولیا کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ تانیا کے الفاظ سے اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

"تو تم جانا چاہتی ہو یہاں سے؟"

تانیا نے اپنے الفاظ کو مضبوط رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں میرے خیال میں ہم سب کی بہتری اسی میں ہے۔ آیا اور نادیا یہاں تمہارے پاس رہیں گے۔ نادیا بہت اچھی ہیں۔ آیا کو ان سے محبت ہے لیکن میں اماں کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اور ہمارا یہاں سے چلا جانا ضروری ہے۔"

"لیکن کیوں؟ کیا تمھیں نفرت ہے مجھ سے؟"

"نہیں ___ نہیں ___ ایسا نہ کہو ___ جب تم شروع شروع میں یہاں آئے تو نہ جانے

کیوں میں نے تمھارے ساتھ اتنا عجیب سا برتاؤ کیا۔ میں سوچتی تھی کہ ابا میرے ابا ہیں۔ تمھارے نہیں۔ شاید اسی وجہ سے میں نے تمھارے ساتھ اتنی بے انصافی برتی۔ مجھے تم سے نفرت تھی اور تم سے ڈر لگتا تھا ــــ لیکن اب میں تمھاری خوشی چاہتی ہوں کولیا ــــ"

"نہیں ــ نہیں ــــ" کولیا نے جوش اور بے چینی کے ساتھ اس کی بات کاٹی ــ "میں بھی تمھیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں بھی تمھاری اماں اور ابا اور خالہ نادیا کی خوشی چاہتا ہوں۔ میری تمنّا ہے کہ سب لوگ خوش اور مسرور رہیں۔ ہم سب مل کر خوش کیوں نہیں رہ سکتے تانیا؟"

"شاید ہم سب کو خوشی مل سکتی ہے۔ لیکن کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" تانیا نے سوچتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی اور اپنی ماں کی اور ابا کی مسرتوں کے متعلق سوچنے لگی۔ اور گویا سہارا اور مضبوطی حاصل کرنے کے لئے درخت کے چوڑے تنے سے لگی بیٹھی رہی۔ اس کے پریشان اور دھندلے خیالات جو اس وقت اس کے دماغ میں چکّر کاٹ رہے تھے اسے یہ سہارا نہ دے سکتے تھے۔

ڈھلتی رات کی تیز ہوا میں درخت لرز رہا تھا اور جنگل کی دیوار سے ٹکراتے ہوئے سیلاب کی طرح صبح کا اجالا سارے میں پھیلنے لگا تھا۔

"میں بھی سب کی مسرت کی آرزو مند ہوں" تانیا نے دریا پر ابھرتے ہوئے سورج کو گھورتے ہوئے کہا۔

"سورج نکل آیا۔ اب مجھے چلنا چاہیئے۔ اچھا کولیا۔ اب رخصت ــ" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور دریا کی طرف سے پیٹھ موڑ کر پگڈنڈی ڈھونڈنے کی پرواہ کئے

بغیر جنگل میں داخل ہو گئی۔ کولیا نے لپک کر اسے جا لیا ——"مت جاؤ تانیا —— مت جاؤ —— جو کچھ تم کو کہنا تھا وہ سب تم نے ابھی نہیں کہا۔ تم کو صرف یہی تو نہیں کہنا تھا؟"

"نہیں اس کے سوا مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔" تانیا نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ "تم کیا جاننا چاہتے تھے کولیا؟"

اس ڈر سے کہ تانیا کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ شرما نہ جائے اس نے اپنی پلکیں جھکا لیں۔ تانیا بڑی نرمی اور میٹھی نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔ کولیا نے جھک کر اس کے گالوں کو اپنے ہونٹوں سے چھو لیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔ سناٹے نے دونوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

جنگل میں ایک کے بعد ایک گولی چلنے کی آواز سے سناٹا دفعتاً ٹوٹ گیا۔ اور آواز پہاڑوں میں گونجنے لگی۔ نزدیک کے دیودار تھرتھرائے۔ اور ایک بہت بڑا سنہرا اور سرا تیتر تانیا اور کولیا کے قدموں میں آن گرا۔ وہ دونوں چونک پڑے، ڈر کر وہاں سے ہٹے —— تیتر گھاس میں پھڑپھڑا کر خاموش ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور سفید کالوں والا تیتر۔ ہوا میں لہراتا دھم سے تانیا کے قریب آن گرا۔

تانیا کے ابا اور ان کے پیچھے فلکا گھنے صنوبروں میں سے باہر نکلے۔ دونوں کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔ اور بارود کے دھوئیں کے مرغولے ان کے سروں کے اوپر درختوں میں لہرا رہے تھے۔

"بہت خوب!" تانیا کے والد نے کہا۔

تانیا ان کی طرف دوڑی۔ انھوں نے تانیا کو جنگل میں موجود پاکر کسی حیرت کا قطعی اظہار نہیں کیا۔ اور پیار سے اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر بولے۔

"اب گھر جاؤ، بچو — تمھارے فائنل امتحانات بہت قریب ہیں۔"

فلکا نے دونوں وزنی پرندے بندوق میں لٹکا کر کندھے پر رکھ لیے۔ اور کولیا کی طرف بڑھا۔

"ہم لوگ شکار کھیل رہے تھے۔ صبح صبح ڈھیروں تیز دانہ چگنے یہاں آتے ہیں۔" اس نے کولیا سے کہا۔

کولیا سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ فلکا نے اپنی جیکٹ اتار کر اس کے کندھوں پر اڑھا دی۔ اور اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر چلنے لگا۔ مگر اتنی تپلی پگڈنڈی پر دو آدمی ساتھ ساتھ نہ چل سکتے تھے۔

تانیا اور اس کے ابا آگے آگے جا رہے تھے۔ تانیا درختوں پر پڑی شبنم سے بچنے کے لئے سمٹی سمٹائی اپنے باپ سے لپٹ کر چل رہی تھی۔ اور کبھی کبھی سر اٹھا کر ان کے چہرے پر نظر ڈال لیتی تھی۔

تانیا کے ابا سیدھے سادے آدمی تھے۔ بیٹی کو مضبوطی سے پکڑ کر وہ مسکرا پڑے "تم سفید فرغل میں بالکل اپنی ماں جیسی لگتی ہو!" انھوں نے کہا۔

تانیا نے جلدی سے ان کا ہاتھ اٹھا کر اپنے کندھے پر اس جگہ رکھ دیا جہاں جب وہ پہلی بار اس کے گھر آئے تھے تو انھوں نے خود رکھا تھا۔

پھر تانیا نے اس ہاتھ کو چوم لیا۔

"ابا — ابا جان — مجھے معاف کر دو۔ میں پہلے تم سے بہت خفا تھی مگر اب

ساری باتیں میری سمجھ میں آگئی ہیں۔ یہ کسی کا قصور نہیں ہے۔ نہ میرا۔ نہ تمھارا۔ نہ اماں کا۔ دنیا میں بہت سارے لوگ محبت کے قابل ہیں — ہیں نا؟"

"ہاں"

"میری بدتمیزیاں اور گستاخیاں معاف کر دو گے ابا — ؟ میں آئندہ کبھی — کبھی ایسی سخت دلی کا برتاؤ نہیں کروں گی۔" پھر اس نے آہستہ سے کہا "کولیا کے ساتھ اتنے منہ اندھیرے جنگل میں آنے پر تم ناراض تو نہیں ہو مجھ سے ابا؟"

"ارے نہیں بھئی — مجھے پتہ ہے صبح سویرے جنگل کس قدر سہانا معلوم ہوتا ہے" ابا نے جواب دیا۔

۲۲

بہار کے دن گزر گئے۔ دریا سوکھ چلا اور کنارے پر بکھری ہوئی چٹانیں پانی میں سے ظاہر ہونے لگیں۔ دوپہر کو ریت گرم ہو جاتی۔ دریا پر چمکتی دھوپ بے حد تیز ہو گئی۔ کبھی کبھی سمندر کی طرف سے نرم ہوائیں آتیں اور جنگل جھوم اٹھتے۔

تانیا ساحل پر اپنا آخری الوداعی چکر لگا رہی تھی۔ اپنے سائے کے ہمراہ وہ ریت پر چلا کی اور دریا اس کے ساتھ ساتھ ثابت قدمی سے اس طرح بہتا رہا جیسے وہ بھی اپنی دوست کو خدا حافظ کہتا ہو۔

ایک لمبے ریتلے پانی کے سوتے نے اس کا راستہ روک دیا۔ تانیا ٹھٹھک گئی۔ وہ فلکا کے ساتھ یہاں نہانے آیا کرتی تھی۔ فلکا کہاں گیا؟ صبح سے وہ اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی تھی۔ وہ اسے خدا حافظ کہنے سے بچنے کے لئے کہیں بھاگ

گیا تھا ــــ

لیکن قصور تانیا ہی کا تھا ۔ زنگار نگ کے واقعات سے پُر پچھلے اس ایک برس میں اس نے فلکا کا ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا ۔ حالانکہ اس نے ایک دفعہ وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ اس کے ساتھ دوستی نبھائے گی ! وہ خود کتنا وفادار اور فراخدل دوست ثابت ہوا تھا ۔ اور جب وہ اپنے پیارے گھر کو چھوڑ کر دور جانے والی تھی ، اس کا دل فلکا کے لئے پیار سے بھر آیا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ اسے ڈھونڈ کر ہی چھوڑے گی ۔

" فلکا ــــ فلکا ــــ " اس کی آواز ہوا نے سوتے کے دوسرے کنارے تک پہنچا دی ۔ پانی کے نزدیک گھٹنوں کے بل کھڑا فلکا نمودار ہوا ۔ تانیا بھاگ کر اس کے نزدیک پہنچی ۔ اس کے پیر بالو میں دھنس گئے ۔ " اماں گھاٹ پر میرا انتظار کر رہی ہیں فلکا ۔ اور میرا سارا وقت تمہیں تلاش کرنے میں نکل گیا ۔ یہاں کیا کر رہے ہو ؟ "

" کچھ بھی نہیں ــــ یوں ہی مکھیاں مارتا پھر رہا ہوں "

اس کی مدھم آواز اور ترچھی ، آدھی مندی آنکھوں میں اداسی تھی ۔ تانیا مسکرا پڑی ۔ مگر اچانک چونک کر اس نے دوبارہ فلکا کو دیکھا ــــ فلکا نے قمیص اتار رکھی تھی اور اس کے کندھے ساحل کی چٹانوں کی طرح دھوپ میں تمتما رہے تھے ۔ اور سالونے سینے پر سفید حروف میں " تانیا " لکھا ہوا تھا ۔ فلکا نے جھینپ کر جلدی سے اپنے ہاتھوں سے نام چھپا لیا ۔ اور چند قدم پیچھے ہٹا ۔ اگر دریا بیچ میں نہ آ گیا ہوتا تو وہ اڑنچھو ہو جاتا ۔

تانیا اس کی طرف بڑھی ۔ ٹھہرو فلکا ــــ وہ ٹھٹھک گیا ۔

ادھر ــــ خیر ـــ اگر دو دوست اس آسانی سے جدا ہو سکتے ہیں تو مجھے بھی پرواہ نہیں ـــ جس کا جی چاہے آکر یہ نام دیکھ لے۔ اس نے دل میں کہا۔

لیکن تانیا نے اس کی طرف نہیں دیکھا ــ اس نے چمکتے سورج اور جگمگاتی دھوپ پر نظر ڈالی پھر فلکا کی ہتھیلیاں سامنے کیں۔

فلکا کے ہاتھ خالی تھے۔

تانیا کو بڑی حیرت ہوئی۔

"تم نے یہ لکھا کس طرح ــ؟"

فلکا خاموشی سے بالو پر پڑے اپنے کپڑوں پر جھکا اور سفید کاغذ سے تراشے ہوئے پانچ حرف اٹھائے۔ ان کو اپنے سینے پر رکھا اور بولا۔ میں روز صبح یہاں آکر اسی طرح دھوپ سینکتا ہوں۔ میرا باقی جسم تو سانولا پڑ گیا مگر ان حرفوں کے نیچے کا حصّہ سفید رہا۔ اس طرح تمہارا نام بن گیا ــ بس یوں ہی۔ یہ میرا ایک خیال تھا ــ مجھ پر ہنسنا مت تانیا ـــ"

اس نے اپنا ہاتھ اپنے حلق پر رکھ لیا۔ شدید دکھ اور رنج کے موقع پر وہ ہمیشہ اپنا ہاتھ اسی طرح حلق پر رکھ لیا کرتا تھا۔ تانیا سمجھ گئی کہ اب ہنسنا کسی طرح مناسب نہیں ـــ

ایک غیر معمولی ملائمیت اور نرم دلی کے ساتھ اس نے فلکا پر نظر ڈالی ــ "تم بالکل بچّے ہو فلکا! جاڑے آتے ہی جوں ہی تمہارا یہ دھوپ سے تپا سانولا پن کم ہوا یہ حرف بھی غائب ہو جائیں گے۔"

فلکا کے ماتھے پر بل پڑ گئے - اور اس کی حیرت زدہ نگاہیں دریا اور پہاڑ پر بھٹکنے لگیں - اور وہ بے حد الجھ گیا - جاڑے آجائیں گے ـــ یہ تو وہ بھول ہی چکا تھا! میں بھی بس نمبر ایک کا چغد ہوں - اس نے سوچا" یہ دھوپ بہت تیز ہے" اس نے ضدی پن سے کہا" کچھ حرف تو باقی رہ ہی جائیں گے - ہیں نا تامنیا ـــ ؟"

تامنیا نے اس مسئلے پر چند سیکنڈ تک غور کیا" ہاں - شاید" فلکا کا دل رکھنے کے لئے وہ بولی - "کچھ نشان تو باقی رہ ہی جائے گا - سب کا سب تو نہیں مٹ سکتا" گرم گرم آنسو اچانک اس کی آنکھوں میں امنڈنے لگے - اور اس نے کہا:
"اگر یہ نشان بھی مٹ گئے تو تمہارا کیا بنے گا؟ ہم جیسے لوگوں کی دوستی کے کیا معنی رہ جائیں گے ؟"

وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے - نرم گرم ہوا نے ان کے پیروں کو سہلایا اور اکادکا اڑنے والی اکیلی چڑیاں آسمان سے جھک کر انہیں دیکھنے لگیں -

ان کا بچپن ختم ہو چکا تھا! اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا بچپن آپ سے آپ کہاں اور کس طرح غائب ہو گیا - ان کے پرانے ساتھی ریت، جنگل، دریا، چٹانیں، کسی کو بھی یہ راز نہیں معلوم تھا - دور اندھیرے پہاڑوں کے پرے، جہاں سے سورج نکل رہا تھا، ایک جگمگاتی جادونگری کے کبھی نہ ختم ہونے والے راستے ان دونوں کے سامنے چمک اٹھے تھے -

ہاتھ میں ہاتھ دیئے وہ افق کو دیکھا کئے - ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا - کیوں کہ ابھی یادوں نے ان کو ستانا شروع نہ کیا تھا - یادوں کا روگ پالنے کے

لئے ابھی وہ بہت کم سن تھے۔

لیکن جدا ہونے کی اداسی نے ان کے دل کو ابھی سے بے چین کر دیا تھا۔

"الوداع ڈنگو ـــ الوداع ـــ" فلکا نے کہا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا تھا۔ مگر وہ ایک سخت مزاج سمندر کے کنارے سرسراتے خاموش جنگل میں پیدا ہوا تھا۔ وہ بڑی ہمت والا لڑکا تھا۔ اس نے خود کو ریت پر گرا دیا۔ اور ہلے جلے بغیر اسی طرح وہاں پڑا رہا۔ اور تانیا وہ دریا کے ساحل پہ آگے بڑھ گئی۔ سمندر کی نمکین ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔

ہماری مطبوعات

کارِ جہاں دراز ہے (حصہ اول)	قرۃ العین حیدر	پاگل	خلیل جبران
، ، (حصہ دوم)	، ،	محبت اور جوانی	، ،
آگ کا دریا	، ،	ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر
فصلِ گل آئی یا اجل آئی	، ،	پھول کی تنہائی	، ،
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری	الٹا درخت	، ،
پطرس کے خطوط	، ،	محبت کی رات	، ،
زیرِ لب	صفیہ اختر	مضامین کرشن چندر	، ،
حرفِ آشنا	، ،	لذیذ پکوان	شائستہ کو
گنجے فرشتے	منٹو	نقوشِ زنداں	سجاد ظہیر
انارکلی	، ،	کلیاتِ جگر	جگر مرادآبادی
ٹھنڈا گوشت	، ،	آتشِ گل	، ،
کرنیں	شفیق الرحمٰن	کلیاتِ شکیل	شکیل بدایونی
دو ہاتھ	عصمت چغتائی	کلیاتِ ساحر	ساحر لدھیانوی
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ	تلخیاں	
تعمیرِ حیات	ڈیل کارنیگی	گلِ نغمہ	فرا
مد پتے	خلیل جبران		

مکتبہ اُردو ادب لاہور